www.novelsclubb.com
رعد
از قلم عشاء افضل
Follow us!
Insta:@novelsclubb
FB: Novelsclubb
YouTube:@readwithlaiba

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری، ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842

رعد

از قلم

عشاء افضل

www.novelsclubb.com

رعد

از قلم عشاء افضل

قسط نمبر 15

♡♡♡

ظلمت سے پر ماحول میں اجالے نے دخل اندازی کی کوشش کی تو سیاہی نے اسے خود میں جذب کر لیا۔ اور سیاہ رنگ کی تو خصوصیت ہی جذب کرنے کی ہے۔ وہ نہیں دیکھتا کہ یوں وہ کتنے رنگوں کو بے مول کر رہا ہے۔ وہ بس اپنے کام سے واقف ہے سو وفاداری سے سرانجام دیتا ہے۔ انسانوں کی بہ نسبت بقیہ تمام مخلوقات اپنے فرائض نبھانے کی قائل ہیں۔ یہ حکم عدولی تو بس انسان کی سرشت بنی۔ اپنے مقصد حیات کو ڈھٹائی کی چادر میں اوڑھے وہ فقط اپنی منمنانی پہ اترا۔

یہ علاقہ شہر فیصل آباد سے میلوں کی مسافت پہ تھا جہاں ذی روح کا نشان تک دکھائی نہ دے رہا تھا۔ رات کے اس پہر گھنٹہ دو گھنٹہ کے وقفے سے کوئی برق رفتار گاڑی گزرتے ہوئے آواز پیدا کرتی اور اگلے ہی لمحے دوبارہ گھمسان پڑ جاتا۔ ایسی ویران و ابتر جگہ پہ یقیناً کسی کے رکنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ مگر بمشکل انسانی آبادی سے بچ کر آتے جگنوؤں کی چمک میں ایک منظر کچھ صاف ہوا۔ کوئی انسان نما وجود دوزانو بیٹھا تھا۔ جگنوؤں نے تجسس سے مزید تفتیش کرنا چاہی اور اس وجود پہ روشنی ڈالی تو گوشت پوشت کا وہ ٹکڑا جگہ جگہ سے ادھڑا نظر آیا۔ آنکھوں پہ مزید زور ڈالا تو اس کے بندھے ہاتھ پیر واضح ہوئے۔ ابھی جگنو مزید جاسوسی کرتے اس سے قبل برہان اپنی گاڑی سے اتر کر کچھ قدم چلتے مطلوبہ مقام تک پہنچا۔ اس بے ضرر مخلوق نے یہاں سے جانے میں ہی عافیت جانی۔ پہلے ہی جگنوؤں کی آبادی

تقریباً نہ ہونے کے برابر رہ چکی تھی۔ انسانوں کے ہاتھ لگ کر بقیہ کے بھی ناپید ہونے کا اندیشہ غالب تھا۔

برہان نے ایک سرد نگاہ منظر پہ ڈالی۔ جہاں وہ ترابی وجود زخموں سے چور سسک رہا تھا۔

"ٹھیک تین منٹ بعد واپس آنا۔" دوزانو جکڑے شخص کو دونوں جانب سے تھام کر زبردستی اس حالت میں بٹھائے وہ دو نقاب پوش اس کا حکم سنتے تعمیل میں پیچھے ہٹے۔ زمین پہ بیٹھا وہ بے بس مٹی کا پتلا دھڑام منہ کے بل گرا۔ بدترین حال میں بندھے شخص کے قریب آتے برہان نے اس کو بغور دیکھا۔ سرمئی آنکھوں میں موجود سرخ ڈورے ماحول کی وحشت میں مسلسل اضافہ کیے ہوئے تھے۔ وہ شخص نیم بے ہوشی میں تھا۔ اس نے بمشکل اپنی آنکھیں کھولیں اور سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر اسے موت اپنے سر کھڑی نظر آئی۔

"میں۔۔۔نے۔۔۔۔کچھ نہیں۔۔۔کیا۔"بمشکل خود کو سیدھا کرنے کی کوشش میں ہلکان ہوتے اس شخص نے اپنی صفائی دینے کے لیے الفاظ کا سہارا لیا۔ وہ الفاظ جنہیں سننے کی برہان کو کوئی تمنا نہ تھی۔

"خاموش"اس کے قریب جھک کر انگلی اپنے لبوں پہ رکھتے اس نے اتنے سرد لہجے میں کہا کہ مقابل اندر تک کانپ گیا۔

"ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو منہ میں ریوالور ڈال کر گولی چلاوں گا۔"اپنی پینٹ کی جیب میں اڑسا پسٹل نکال کر اس کے ہونٹوں کے قریب کرتے برہان نے بے لچک انداز میں کہا۔ مقابل کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔اس نے درست سنا تھا برہان کمال صفائیاں نہیں سنتا۔ وہ صرف سزا دیتا ہے۔

"صرف مجھے سنو۔ تم نے اپنے باس کے کہنے پہ مجھ پہ گولیاں چلائیں۔ گڈ! باس کا حکم ماننا بھی چاہئے۔" جملہ کے اختتام پہ ایک پل کو اس کے لبوں پہ مسکراہٹ آ کر معدوم ہوئی۔

"لیکن برا ہوا کیونکہ سامنے میں تھا۔ جو افسوس کے ساتھ زندہ و سلامت تمہارے سامنے کھڑا ہے۔" اس کے لہجے میں مصنوعی افسوس جھلکا۔ یوں جیسے وہ اپنے بچ جانے پہ افسردہ ہوا تھا۔ مقابل کو اس کا یہ انداز خوف بڑھانے کا باعث بنا ہوا تھا۔ اور برہان یہی چاہتا تھا۔ دنیا اس سے خوف کھائے۔

اس نے ایک مکمل چکر اس گرے پڑے کراہتے وجود کے گرد کاٹا۔ چہرے پہ پر سوچ تاثرات تھے گویا کچھ یاد کیا ہو۔

چکر مکمل کر کے اس کے سامنے آتے اس نے ریوالور کا نشانہ اس کے سینے کی دائیں جانب باندھا اور فائر کیا۔

"ایک گولی تو نے مجھے یہاں ماری تھی۔"سفاکیت ہی سفاکیت تھی اس کے لہجے میں۔ نیچے گرا وجود درد کی شدت سے بے حال ہو گیا۔

پھر اس نے پیٹ کی طرف نشانہ کیا۔

"دوسری یہاں"ریوالور سے دوسری بلٹ نکل کر نازک مقام میں گھس کر گوشت چیرتے ہوئے باہر نکل گئی۔

"حساب برابر ہوا۔"ریوالور کو واپس پینٹ میں اڑستے اس نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔ چہرے پہ وہی مخصوص مسکراہٹ تھی جو شکار کرنے کے بعد ہوتی تھی۔

"اب تم اپنے باس کے پاس جانا اور میرا پیغام دینا۔"زمین پہ لوٹ پوٹ ہوتے شخص کا چہرہ بے رحمی سے دبوچتے اس نے اسے متوجہ کیا۔

"اس سے کہنا برہان کمال کو مارنا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ آئندہ کوشش کی تو اس کی کمزوری سے کھیلوں گا۔ کیونکہ مجھے لوگوں کی کمزوریوں سے خاصی واقفیت ہے۔" جھٹکے سے اس کا منہ چھوڑتے وہ سیدھا کھڑا ہوا۔ پھر کلائی پہ بندھی گھڑی پہ وقت دیکھا۔ تین منٹ پورے ہونے میں پانچ سیکنڈز باقی تھے۔ اس نے سر اٹھایا تو اس کے دونوں بندے گنز تھامے اس کے سامنے مودب سے کھڑے تھے۔

"اس کا علاج کرواو۔ ابھی اس نے میرا پیغام بھی پہنچانا ہے۔" سامنے موجود دونوں غلاموں نے بادشاہ کا حکم سنا اور فوری تعمیل میں مگن ہو گئے۔ انہیں کبھی کبھار یہ شخص سائیکو لگتا تھا۔ وہ خود مارتا تھا پھر علاج بھی بذات خود کرواتا تھا۔ خیر انہیں زیادہ سوچنے کی اجازت نہیں تھی۔ اسیروں کو صرف حکم ماننا ہوتا ہے۔

برہان گاڑی کی طرف بڑھا۔ گھر جا کر کر پیکنگ کرنا فلحال باقی تھا۔ ابھی برلن کو اس کی قدم بوسی کی چاہ تھی۔

☆☆☆

ڈاکٹر کی کہی تمام باتیں گوش گزار کرنے کے بعد ان کا بس ایک ہی سوال تھا۔

"ہم اسے دیکھ سکتے ہیں؟"

"بالکل۔ لیکن ان کے کسی بھی قسم کے عمل کی صورت میں آپ کو کوئی رد عمل نہیں دینا۔" ڈاکٹر نے توجیہات سامنے رکھیں۔ انہیں اس پہ کوئی اعتراض نہ تھا۔ وہ اس کی طبیعت کی بحالی پہ ہی صابر و شاکر تھے۔ آئندہ کا سوچ کر وہ موجودہ خوشی غرق کرنے کے قائل نہ تھے۔

"ٹھیک ہے۔" حدید نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کی ہمراہی میں کمرے کی طرف چل دیے۔ ان کے چہرے آنے والے وقت کو لے کر بیک وقت سروریت اور دور اندیشی کا مرکز دکھے۔ حدید نے دروازہ دھکیلا تو اندر کا منظر واضح ہوا۔ بستر پہ لیٹی وہ لڑکی آنکھیں بند کیے ہوئے تھی جس کی آنکھوں کے دیپ سے حدید کی زندگی میں نور تھا۔ وہ دونوں اس کے قریب بڑھے۔ عائشہ نے ممتا کی نظر سے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔ چند گھنٹوں میں ہی ان کی بیٹی کا چہرہ مرجھا گیا تھا۔ سر پہ بندھی پٹی کے باعث اس کے سنہری بال جکڑے ہوئے دکھ رہے تھے۔ حدید نے اس کی گردن پہ لگے زخم کو دیکھا۔ پھر آنکھیں بند کر کے گہرا سانس لیا۔ دوبارہ اس کو دیکھا تو اس کی جنبش کرتی انگلیاں، ہلکے سے زاویے سے مڑتا چہرہ اور گہرا سانس اس کے ہوش میں آنے کی دلیل ثابت ہوا۔ وہ پلکیں جھکائے بغیر اسے دیکھے گئے۔ حدید نے اس کے ایک ایک تاثر کو اپنی یادداشت کے خانے میں رقم کیا۔

"ماما۔۔۔"اس کی زبان پہ آنے والا پہلا لفظ عائشہ کو تاریکی کے ویران گوشے سے اجلی صبح میں لے آیا۔وہ بے ساختہ اس کے سرہانے پہنچیں۔حدید کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

"نور۔۔۔میری نور آنکھیں کھولو بیٹا"وہ بے چین اور مضطربانہ انداز میں بولیں۔

زخرف نے آہستگی سے اپنی آنکھیں وا کیں تو ان سیاہ آنکھوں کو کھلا دیکھ حدید کے چہرے پہ چھائی پژمردگی چھٹ گئی۔تشکر کے مارے اس کی آنکھوں میں نمی جھلکی۔اس نے لب بھینچے خود پہ قابو پایا۔

"تم ٹھیک ہو بچے۔دیکھو تم بالکل ٹھیک ہو۔"اس کے چہرے پہ ہاتھ رکھتے انہوں نے اس سے زیادہ خود کو بتایا کہ ان کی بیٹی اب ٹھیک ہے۔وہ ایک اور آزمائش کا کامیابی سے مقابلہ کر کے لوٹ آئی ہے۔ان کی بیٹی فاتح تھی۔وہ ایک جہاں فتح کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔وہ کیسے سوچ سکتی تھیں کہ ایک چھوٹا سا حادثہ اس کا کچھ بگاڑ سکتا تھا۔زخرف کی آنکھیں بے ہوشی سے پہلے کے منظر کو یاد کرتے

سکڑیں۔ دماغ پہ از حد درجہ زور آیا۔ چہرے پہ تاریک سایہ لہرایا۔ ذہن میں بنتے مناظر نے زبان سے ادا ہونے کی التجا کی۔ اس نے ماں کو دیکھتے اپنے دل کا حال بتانا چاہا۔

"وہ۔۔وہ۔۔ سب جانتا۔۔۔"اس کے الفاظ منہ میں ہی دب گئے جب اس کی نگاہ حدید پہ پڑی۔ حدید نے اس کا ٹھٹھک کر خاموش ہو جانا شدت سے محسوس کیا۔ عائشہ اس کے اچانک ساکت ہوتے لب دیکھ بے کیف ہوئیں۔ زخرف یک ٹک حدید کو دیکھتی رہی۔ ان آنکھوں میں شناسائی کی رمق بھی نہ تھی۔ حدید نے ان نگاہوں میں اجنبیت دکھی تو وہ منجمند ہو گیا۔ ٹھوڑی کے نیچے دھرا ہاتھ پہلو میں آن گرا۔ چھٹی حس نے کسی اندیشے کی پیشن گوئی کی۔

"یہ۔۔۔یہ کون ہے ماما؟ اور۔۔۔یہاں۔۔۔ میرے کمرے میں کیا کر رہا ہے؟"جملے کو بے ربط توڑ توڑ کر ہر لفظ پہ زور دے کر کہتے ہوئے اس کی نگاہوں

میں قطعی لاعلمی کے سایے ٹھہرے تھے۔ انتہائی غیر متوقع سوال پہ عائشہ نے جھٹکے سے حدید کی جانب دیکھا۔ اور وہ تو جیسے زلزلے کی زد میں آ گیا تھا۔ اس کے مضبوط قدم لڑکھڑائے۔ اسے لگا وہ اپنا توازن کھو دے گا۔ عائشہ کو روشن دن میں بھی تاریکی کا عنصر محسوس ہوا۔ کچھ غلط ہونے والا تھا۔ آزمائش ابھی ختم نہ ہوئی تھی۔

"میرا سر۔۔۔ میرا سر بہت درد کر رہا ہے۔" اس کے سر میں اچانک ہی درد کی لہر اٹھی اور وہ اتنی شدید تھی کہ وہ کراہ اٹھی۔ عائشہ نے فوری اسے پکارا جو شل ہوتے ذہن سے آنکھوں میں دکھائی دیتے منظر کو دیکھ کر بھی انجان تھا۔

"حدید ڈاکٹر کو بلاو جلدی" زخرف کے چہرے کو ہاتھوں میں لیتے انہوں نے تقریبا چیختے ہوئے کہا۔ وہ جس کے شل پاؤں نے چلنے سے انکار کر دیا تھا اس نے بمشکل ان قدموں کو گھسیٹتے باہر کی جانب رخ کیا۔ آنکھوں کی جوت بجھی گئی تھی اور جذبات۔۔۔ ان پہ ماتم کرنا باقی رہ گیا تھا۔

چند لمحات بعد وہ ڈاکٹر کو لیے اندر داخل ہوا۔ ڈاکٹر اس کا معائنہ کرنے لگا اور عائشہ ترحم بھری نگاہوں سے حدید کو دیکھتی رہی۔ وہ لب سیے کھڑا تھا۔ کندھے ڈھلکے ہوئے تھے اور بازو پہلو میں لٹکے ہوئے تھے۔ انہیں اس سے بات کرنی تھی مگر فلحال نہیں۔ وہ ابھی زخرف کو وقت دیں گیں۔ یہ سانحہ معمولی نوعیت کا نہ تھا۔ ان کی بیٹی کا ردعمل بھی ان کی سوچ کے برعکس تھا۔ نور کو دوبارہ نیند کا انجکشن لگا دیا گیا تھا۔

"ابھی ان کے سامنے کسی قسم کے دست و سوالات سے گریز کیجئے گا۔ ان کی صحت بالکل بھی اس بات کی اجازت نہیں دے رہی کہ وہ دماغ پہ زور ڈالیں۔" ڈاکٹر نے اپنے شعبے کے حساب سے مخصوص لب و لہجے سے واضح کیا۔

"ایسا ہی ہو گا ڈاکٹر" اس سارے میں وہ پہلی بار بولا تھا۔ زخرف کی بند آنکھوں پہ نگاہیں مرکوز کیے اس کے سر پہ بندھی پٹی کو دیکھتے اس نے تکلیف دہ لہجے میں

کہا۔ ایک پل کو ڈاکٹر نے بھی اس کا چہرہ غور سے دیکھا۔ اسے پسند آیا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو لے کر اتنا مخلص ہے۔ ورنہ جرمنی میں ایسے جوڑے شاذونادر ہی دکھتے تھے۔ حدید کے کندھے کو تھپک کر ڈاکٹر باہر چلا گیا۔

"حدید!" عائشہ نے اسے پکارا لیکن اسی وقت حدید کے فون پہ بیل بجی۔ اس صورتحال اور مام کے کسی بھی قسم کے دلاسے سے بچنے کا اس سے بہتر بہانہ اس کے پاس فلوقت نہیں تھا۔ وہ ان کی پکار کو رد کرتے کال یس کرتا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ یہ اس کا اشارہ تھا کہ وہ اس موضوع پہ بات کرنے کا اہل نہیں ہے۔ عائشہ کی نگاہوں نے اس کے بازوؤں کو دیکھا جس کی آستینیں داغ دار تھیں۔ حدید عالم کبھی داغ دار کپڑے نہیں پہنتا تھا۔ مگر وجود پہ لگے داغ بے داغ کپڑوں سے کہاں چھپتے ہیں؟

☆☆☆

برہان کی تیاری مکمل تھی۔ وہ سارے سامان پہ ایک آخری جانچتی نظر ڈال رہا تھا جب مائدہ دستک دیتے کمرے میں داخل ہوئیں۔ برہان کو بیگ کے پاس جھکا دیکھ ان کا خوشگوار موڈ پل بھر میں غارت ہوا۔ آنکھوں میں بے یقینی در آئی۔

"تم کہیں جارہے ہو؟" انہوں نے اس کی تیاری کے پیش نظر سوال داغا۔ البتہ اس کا جواب انکار میں سننے کی خواہش کی۔

"جی" ان پہ نگاہ ڈالے بغیر بیگ کی زپ بند کرتے اس نے تابعداری سے جواب دیا۔

"مگر کہاں؟" ماتھے پہ تفکر کی پرچھائیاں گھل گئیں۔

"جرمنی" اس نے سادگی سے جواب دیا۔

"کیوں؟" ان کے سوالات ابھی باقی تھے۔

"کام ہے۔"

"تم پاکستان کا الیکشن جیتے ہو تو کام بھی پاکستان میں ہونے چاہئے۔ جرمنی میں کونسے کام ہیں؟" وہ کسی صورت اسے دوبارہ خود سے دور بھیجنے پہ آمادہ نہ تھیں۔

برسوں بعد ان کا سپوت ان کی پناہ میں آیا تھا۔ وہ اب اس کے خود سے دور جانے کی متحمل نہ تھیں۔

"بہت ضروری کام ہے۔" برہان نے ان کے شانوں پہ ہاتھ رکھ کر زور دے کر کہا۔

"میں تمہیں اب دوبارہ کہیں بھی جانے نہیں دوں گی۔" ماں کی فطری ممتا عود آئی تھی۔ مگر برہان کو ہمیشہ سے اس بچگانہ رویے سے شدید چڑ رہی تھی۔

"ماما میں کوئی چھوٹا بچہ نہیں ہوں جو آپ اس طرح ردعمل دے رہی ہیں۔" ان کے شانوں سے ہاتھ ہٹاتے وہ بیڈ سے بیگ اتارتے ہوئے بولا۔

"ہاں جانتی ہوں بہت بڑے ہو گئے ہو۔ماں کے بغیر رہنا کب سے سیکھ چکے ہو۔"اب کہ وہ بولیں تو لہجے میں نمی گھلی تھی۔ان کے چہرے پہ کرب کے آثار واضح تھے۔

"حالات انسان کو بہت کچھ سکھا دیتے ہیں۔"وہ طنزیہ مسکرایا۔لیکن وہ اس کی طرف متوجہ ہوتیں تو محسوس کرتیں۔

"ایک منٹ جرمنی تو وہ گئی ہے نا؟"وہ تانے بانے بننے لگیں۔

"تم اس کے پیچھے جا رہے ہو نا؟تم ابھی تک اسے اپنے دل سے نہیں نکال سکے برہان"انہوں نے خود ہی سوال و جواب کا سلسلہ شروع کر دیا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔میرا ذاتی کوئی کام نہیں ہے۔پروفیشنل کام سے جا رہا ہوں۔" اس نے تسلی دینے کی کوشش کی۔اس کی ماں کو سونا سے کتنی چڑ تھی یہ وہ بخوبی جانتا تھا۔

"تم کونسا سفیر لگے ہو جو چند دن بعد ہی دوسرے ملک کا دورہ کرنے پہنچ جاو گے۔"سیاست سے تو انہیں بھی واقفیت تھی۔ لاعلم تو وہ بھی نہ تھیں۔

"آپ مجھے انڈر ایسٹیمیٹ کر رہی ہیں ماما"وہ قدرے تلخی سے گویا ہوا۔

"خدا قسم اپنے بیٹے پہ سب سے زیادہ بھروسہ ہے۔اس کی قابلیت پہ ہمیشہ سے رشک رہا ہے۔ تمہارے دادا کی طرح تمہیں کبھی ناکامی کا طعنہ نہیں دیا۔ تمہارے باپ کی طرح کبھی تمہیں نظر انداز نہیں کیا۔ کیونکہ میں جانتی ہوں میرا برہان وہ کرے گا جو خاندان بھر میں کوئی نہ کر سکا۔"اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھرتے وہ بڑی محبت سے بولیں۔

"آپ کا برہان سچ میں وہی کر رہا ہے جو کوئی نہیں کر سکتا۔"وہ دھیما بڑبڑایا۔

"کیا کہا؟"وہ اس کے نادر الفاظ سننے سے محروم رہی تھیں۔ برہان نے شکر کیا۔

"کچھ نہیں۔ بس کچھ دنوں کا کام ہے جلد ہی لوٹ آؤں گا۔ آپ بے فکر رہیں۔" ان کے ہاتھ اپنے چہرے سے ہٹاتے وہ وارڈروب کی طرف بڑھا۔

"کیسے بے فکر رہوں وہ لڑکی پھر سے تمہاری زندگی خراب کردے گی۔" اس بار وہ ناچاہتے ہوئے بھی تلخی سے لبریز اونچی آواز میں بول اٹھیں۔ زخرف کا جونک ان کے بیٹے کی جان نہیں چھوڑتا تھا۔

"فار گاڈ سیک ماما۔ سونا سے باہر نکل کر بھی سوچ لیا کریں۔" وہ اب کہ زچ ہو چکا تھا۔ اس کے چہرے پہ چھائی بیزارگی کو یکسر نظرانداز کیے انہوں نے دوبارہ بولنا چاہا۔

"مگر۔۔۔۔"

"برہان کمال کی زندگی کوئی خراب نہیں کرسکتا جب تک برہان خود نہ چاہے۔" ان کے چہرے کے قریب جھک کر ان کی آنکھوں میں دیکھتے وہ مضبوط لہجے میں

www.novelsclubb.com

بولا۔ اتنی پختگی پہ وہ شل اس کو دیکھنے لگیں۔ برہان میں کوئی بہت بڑی اور واضح تبدیلی آچکی تھی جسے وہ سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔

☆☆☆

کال کاٹنے کے بعد جب اس نے وقت دیکھا تو اندازہ ہوا کہ وہ ایک گھنٹہ ضائع کر چکی تھی۔ اگر اس کے چاچو نے اس پہ نیا بوجھ مسلط نہ کیا ہوتا تو یقیناً اسے حالات کی نزاکت کا احساس ہوتا۔ خود کو اور چچا کو کوستے وہ واپس ریسپشن تک آئی تو اسے اندازہ ہوا کہ وہاں کچھ گڑبڑ سی تھی۔

"ایکسکیوز می" اس نے ریسپشن پہ کھڑے لڑکے کو مخاطب کرنا چاہا جو بوکھلاہٹ کا شکار تھا۔

"وہ لڑکی جو لاپتہ تھی کیا اس کا سراغ ملا؟" اس نے مزید اضافہ کیا۔ لیکن وہ اس کی طرف متوجہ ہوتا تو جواب دیتا۔ روادابہ نے الجھن زدہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"تم اسی لڑکی بات کر رہی ہو جو چھت پہ بے ہوش پڑی ملی؟"اس کے پاس کھڑی ایک چونتیس پینتیس سالہ خاتون نے اس کی بات سن کر جوابا پوچھا۔

"بے ہوش؟"اس کی میک اپ کی تہوں میں چھپی پیشانی پہ سلوٹیں در آئیں۔

"ہاں ایک لڑکی کے لباس پہ خون کے دھبے لگے ہوئے تھے اور وہ ہوش و خرد سے بھی بیگانہ تھی۔ایک آدمی اسے چھت سے اٹھا کر نیچے لایا تھا۔"خاتون نے آنکھوں دیکھا حال بیان کیا۔رودابہ کی رنگت زرد پڑنے لگی۔

"اومائی گاڈ۔اٹ مسٹ ناٹ بی نور"نفی میں سر ہلاتے اس نے بوکھلاتے ہوئے فون پہ نور کی تصویر کھولی۔اور مقابل عورت کی توجہ فون کی سکرین کی جانب مبذول کروائی۔

"کیا یہ تھی وہ لڑکی؟"مقابل کا جواب بہت اہم تھا۔

"ہاں شاید۔ اس کے بال بھی سنہری ہی تھے۔" وہ خاتون اس کے سر پہ دھماکہ کرتے چلی گئی۔ روادابہ کو اپنا سر گھومتا محسوس ہوا۔ ایسا کیسے ممکن تھا؟

اس نے فوری توصیف کا نمبر ملایا۔ وہ اس کے علاوہ کسی کو آگاہ نہیں کر سکتی تھی۔

"توصیف۔۔۔ کچھ گڑبڑ ہے۔ کوئی اس کے پیچھے ہے۔ نور۔۔۔"

ہوٹل میں قدرے ویران گوشے میں آتے اس نے توصیف کو حالات سے آگاہ کرنا چاہا۔ اس کا سانس متوازن نہ تھا۔ سردی میں بھی اس اپنے جسم سے پسینہ پھوٹتا محسوس ہو رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

"کیا نور؟" نور کا نام سنتے ہی وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"نور یقیناً کسی حادثے کا شکار ہوئی ہے۔ اور شاید وہ اس وقت کسی ہسپتال میں ہو۔ میں یہاں کسی شے سے واقف نہیں ہوں۔ اور یہ معاملہ میری سمجھ بوجھ سے پرے کا ہے۔ کچھ کرو پلیز" وہ بولنا شروع ہوئی تو رکنا بھول گئی۔

"ہوش میں تو ہو۔ڈرنک تو نہیں کرنے لگ گئی؟"اس کی بے تکی باتیں سن کر اسے معاملہ رودابہ کی ذہنی حالت کی خرابی کا لگا۔ایک تو یہ ایکٹریسز۔پہلے ڈرنک کرتی ہیں پھر عجیب وغریب شوشے چھوڑ کر دوسروں کو پریشان کرنا بھی اپنا فرض اول گردانتی ہیں۔

"شٹ اپ۔ تمہیں میں ایسی لڑکی لگتی ہوں؟"وہ غصے میں چیخی۔ پھر پاس سے گزرتے ایک لڑکے کی عجیب نظروں سے گھبرا کر قدرے سمٹی۔

"شوبز والی لڑکیوں سے کسی بھی شے کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔خیر چھوڑو تم مجھے نور کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔"اس نے معذرت کرنے کی سعی محسوس نہ کی۔ وہ فلم ڈائریکٹر تھا۔ٹکے ٹکے کی ایکٹریسز سے معافی مانگنا اس کی شان کے خلاف تھا۔

"جب میں اس کی ماں سے ملنے۔۔۔۔۔"وہ ساری بات مدوشد کے ساتھ اس کی سماعت تک پہنچانے کے بعد خاموش ہوئی تو فون کی دوسری جانب بیٹھے توصیف کے چہرے پہ کچھ پراسرایت رونما ہوئی۔

"میں اس کی تلاش کرتا ہوں۔ تم ہوٹل واپس آجاو۔ تمہارا باہر رہنا بھی اب محفوظ نہیں ہے۔"اس کی تنبیہہ پہ روودابہ کے گلے میں گلٹی ابھری۔ اس نے بمشکل تھوک نگلا۔ ایک نظر ارد گرد دوڑائی۔ کوئی بھی اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے ٹیکسی کی تلاش میں نکلی۔ اسے خوبصورت برلن سے بدصورت مشاہدہ ہو رہا تھا۔

☆☆☆

www.novelsclubb.com

کنزہ کو کھانا دینے کے بعد منشاء اپنے کمرے میں جانے کی تیاری میں تھی جب اردل نے اس کا راستہ جام کیا۔ منشاء نے اچنبھے سے اسے دیکھا اور سوالیہ ابرو اچکائی۔

"میرے کمرے میں چلو۔" تحکمانہ بھری آواز میں رعب کی آمیزش شامل تھی۔

"وجہ؟" کر ختگی سے کہا تو اردل کے سر پہ لگی اور تلووں پہ بجھی۔

"منشاء درانی تمہیں ایک بار بات سمجھ میں نہیں آتی۔" وہ اس کی شدید ہٹ دھرمی والی عادت سے سخت بیزار ہو چکا تھا۔

"مجھے ایسی بات کہنے والے کی سمجھ نہیں آتی۔" الفاظ پہ دباؤ خاصا شدید تھا۔ مگر اس نے اثر نہ لیا۔

"چلو یہاں سے۔ ضروری کام ہے۔" دبے لہجے میں کہہ کر اس نے منشاء کا بازو تھاما اور یونہی اپنے کمرے کی طرف آیا۔ کمرے میں آکر اس نے جھٹکے سے اس

کا ہاتھ چھوڑا تو منشاء نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔ بازو کو سہلانے کا دل کیا مگر انا حاوی ہو گئی۔

"تمہیں اسے بے ہوشی کا انجکشن دینا ہے۔" اس کی تیز نظروں کو خاطر میں لائے بنا وہ اپنے مقصد کی بات پہ آیا اور منشاء کو اس کی ذہنی حالت پہ شبہ ہوا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ مر مر کر اسے ہوش آیا ہے۔"

"جتنا کہا ہے اتنا کرو۔ اور مجھے خراب دماغ سنانے کی قطعا ضرورت نہیں ہے۔"

اردل نے قدرے اکتاہٹ سے جواب دیا۔ یہ لڑکی اس کا ضبط آخری حد تک آزماتی تھی۔

"جتنی نازک وہ لڑکی ہے پوری رات بے ہوش پڑی رہے گی۔" اس نے متوقع حالات کا تذکرہ کرنا ضرور جانا۔ کجا کہ بعد میں وہ اس کا ہی قصور نکال دے۔

www.novelsclubb.com

"اس سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتا۔ "وہ شاطرانہ مسکرایا۔ اور وہ تو اردل کی مسکراہٹ دیکھ کر ہی تڑپ گئی۔ مگر فلحال یہ شیطانی مسکراہٹ چھیننا اس کے بس میں نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن اس کی ایک قیمت ہو گی۔ " آنکھیں ماتھے پہ رکھتے اس نے مطالبہ رکھنا چاہا۔ مگر بیچاری! کس سے امید رکھ رہی تھی۔

"تم اس پوزیشن میں نہیں ہو کہ میرے سامنے شرائط رکھو۔ اس لیے ہر کام میں اپنی مرضی کرنا بند کر دو۔ آئی سمجھ؟"اس کے قریب جھک کر اپنی سبز آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑ کر حکم سناتے وہ باہر نکل گیا۔ منشاء پیر پٹخ کر رہ گئی۔

"منحوس انسان ایک دن آئے گا جب تمہیں تمہارے وجود سے نفرت کروا دوں گی۔ "جسم و جاں میں بھڑکتوں شعلوں کو مزید لو دیتے وہ باہر نکل آئی۔

☆☆☆

وہ واش روم سے باہر نکلا تو باتھ روب پہنا ہوا تھا۔ سر کے بال گیلے ہوئے ماتھے پہ چپکے پڑے تھے۔ سرمئی آنکھوں میں الوہی چمک تھی۔ ڈریسنگ کے پاس جا کر اس نے ہیئر ڈرائیر اٹھا کر بالوں کو خشک کیا۔ موبائل پہ بیپ ہوئی تو اس نے ڈریسنگ پہ پڑا فون اٹھایا۔ فون کی سکرین پہ اردل کا پیغام ابھرا۔ فقط ایک جملہ تھا مگر اسے تجسس میں مبتلا کر گیا۔

"اگر کل برلن نے تمہاری قدم بوسی کی تو اعزاز میں تمہیں ایک قیمتی تحفے سے نوازا جائے گا۔" جانے وہ کس تحفے کی بات کر رہا تھا۔ یا شاید دور کہیں اندر وہ اندازہ لگا چکا تھا۔ مسکراہٹ نے اس کے چہرے پہ نقش ثبت کر دیا۔ آئینے نے اس طلسماتی شخصیت کو قید کرنے کی کوشش کی مگر وہ آگے بڑھ گیا۔ پیچھے آئینہ اپنی ناکامی پہ کف افسوس ملتا رہ گیا۔

☆☆☆

یہ ایک اوپن ائیر ریسٹورنٹ کا منظر تھا۔ جہاں شام کے اس پہر برقی قمقموں سے روشنائیاں بکھیری گئی تھیں۔ قطار در قطار کئی میزیں سجائی تھیں جن کے ارد گرد نفاست سے چار چار کرسیاں موجود تھیں۔ تازہ ہوائیں وہاں بیٹھے لوگوں کے جسموں کو خوشگوار احساس بخش رہی تھیں۔ برلن میں آج سردی قدرے کم تھی۔ اسی لیے لوگ سیر و تفریح کی غرض سے نکلے ہوئے تھے۔ کسی میز پہ بچوں کے ساتھ بیٹھا جوڑا تو کسی پہ گرلفرینڈ اور بوائے فرینڈ ہاتھوں میں ہاتھ تھامے دکھ رہے تھے۔ کچھ میزوں پہ لوگ پروفیشنل کام سے بیٹھے تھے۔ تو کچھ فقط تنہا ہی موجود تھے۔ انہی میں سے ایک میز پہ شہروز بخت اپنے سامنے بیٹھے شخص کا بھرپور جائزہ لینے میں مصروف عمل تھے۔ کوئی انتیس تیس سال کا وہ شخص ایشیائی ملک سے تعلق رکھنے والا تھا۔ چہرے کے نقوش اور گندمی رنگت یہ واضح کر رہی تھی۔ لیکن

گندمی رنگت میں موجود چمک اور بہترین لباس اس کے کھاتے پیتے گھرانے سے ہونے کا ثبوت تھے۔

"مجھے ڈیڈ نے جب آپ کے بارے میں بتایا تو میں نے سوچا کہ آپ سے ملاقات ضروری ہے۔" سامنے پڑی کافی کے کپ کو ہاتھ میں پکڑتے اس نے عزت و اپنائیت سے کہا۔

"جہانگیر نے تمہاری ذہانت کا ذکر کیا تھا۔ اور مجھے ذہین لوگ بے حد پسند ہیں۔" شہروز بخت نے اپنا معیار جتاتے اسے اہم ہونے کا احساس دلایا تو اس نے فقط مسکرانے پہ اکتفا کیا۔

"آپ کی زبان سے اپنی تعریف سننا یقیناً اعزاز ہے۔" سر کے خم سے داد وصول کرتے اس نے فرمانبرداری سے کہا۔

"سفارت میں آنے کا فیصلہ کرنے کے پیچھے کوئی خاص وجہ تھی؟" کافی کا گھونٹ بھرنے کے بعد وہ گویا ہوئے۔ سیاست اور سفارت سے وابستہ لوگوں سے ملنا اور ان کے تجربات جاننا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

"دوسرے ملک میں بیٹھ کر اپنے ملک کی نمائندگی کرنا مجھے سب سے زیادہ فیسینیٹ کرتا ہے۔" مقابل نے جواباً اپنا شوق بتایا تو وہ متاثر ہوئے۔

"خوب کہی۔ خیر کہیں میری ضرورت محسوس ہوئی تو رابطہ کر لینا برخوردار" انہوں نے اپنے تعلقات کے حوالے سے اسے مدد کی پیش کش کی۔ ایک ہی طرز کے شعبے سے وابستہ لوگوں کو ایک دوسرے کے تعلقات خاصا فائدہ دیتے ہیں۔

"آپ کے پاس ہی آؤں گا۔" جواباً وہ بے تکلفی سے بولا۔

"میری وائف فلحال پاکستان گئی ہے جیسے ہی وہ واپس آتی ہے تمہیں اس سے ملواؤں گا۔ اسے بھی یقیناً تم پسند آ وگے۔" اس لڑکے کی خاصی تفتیش تو وہ پہلے ہی

کر چکے تھے اور اب اس ملاقات نے انہیں مزید سراتھمادیا تھا۔ وہ یقینا اس لڑکے سے متاثر ہوئے تھے اسی لیے اسے نازش سے ملانے کے خواہش مند تھے۔

"ڈیڈ بتا رہے تھے آنٹی ڈاکٹر بھی رہ چکی ہیں۔" نازش کے ذکر پہ اس نے اپنی اطلاعات بھی گوش گزار کیں۔ غالبا دونوں طرف مزید جاننے کی چاہ تھی۔

"ہوں" کڑواہٹ کو گلے سے اتارتے ہوئے انہوں نے محض ہنکارا بھرا۔

"وہ پریکٹس بھی کر سکتی ہیں۔ یہاں تو بہت مواقع ہیں۔" اس نے اپنے تئیں مشورہ دینا چاہا۔ جس کی کم از کم شہروز بخت کو چنداں ضرورت نہ تھی۔

"بس وہ کرنا نہیں چاہتی۔" بے لچک انداز تھا۔

"یقینا فیملی کی وجہ سے" سامنے بیٹھے شخص نے اپنے حساب سے جواز کا اندازہ لگایا۔

انہوں نے فقط مسکرانے پہ اکتفا کیا۔ وہ اسے نازش کی ڈاکٹری چھوڑنے کی وجہ نہیں بتا سکتے تھے۔ وہ اس بھیانک حادثے کا ذکر اپنے سامنے بیٹھے شخص سے نہیں

کر سکتے تھے۔ وہ اپنی بیوی کے گلٹ کی رونمائی نہیں کر سکتے تھے۔ وہ ایک بہترین شوہر تھے جو بیوی کے سابقہ حادثات کا ذکر کر کے اس کی عزت کم کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ وہ اسے یہ نہیں بتا سکتے تھے کہ عائشہ اور اس سے جڑے لوگ ان کی بیوی کی آزمائش بنتے آرہے تھے۔

انہوں نے اسے موضوع سے ہٹایا اور ملکی و غیر ملکی خبروں پہ بحث و تمحیص شروع کر دی۔

☆☆☆

پر تعیش ہوٹل کی عمارت سے باہر نکلتی اس گاڑی میں ایک لڑکا چہرے پہ سن گلاسز لگائے ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا تھا۔ یہ گاڑی اس نے کل ہی کرائے پہ لی تھی۔ جب تک وہ یہاں تھا اسے یہی استعمال کرنی تھی۔ وہ ہر جگہ جانے کے لیے ہیوی بائیک استعمال کرنے سے قاصر تھا۔ فلوقت اس کا ارادہ بے مقصد گاڑی چلانے کا

تھا۔ کیونکہ پیٹرول تو حدید کے پیسوں سے بھروانا تھا۔ اس لیے مہنگائی کی فکر اسے چھو کر بھی نہیں گزر رہی تھی۔ ہوٹل میں اب تک کسی لڑکی نے اسے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اس سے کتنی محبت کرتی ہے۔ اور اگر زید نائک نے اسے انکار کر دیا تو وہ زہر کھا کر مر جائے گی۔ اس کے ارمانوں کا شدت سے خون ہوا تھا۔

اس نے اپنے کالے شیشوں والے برینڈڈ چشمے کو اتار کر ڈیش بورڈ پہ پٹخا۔ جوابا ڈیش بورڈ اس کے غصے کی وجہ جاننے کے تجسس میں مبتلا ہوا۔ ہائے رے تجسس!

"ستیاناس ہو۔ اس سے زیادہ تو برلن میں لڑکیاں مجھ پہ فلیٹ ہو جاتی تھیں۔" خود کلامی کرنی شروع کی تو سیٹ، سٹئیرنگ، بریک، چابی غرض گاڑی کی ہر شے سماعت بنی اسے سننے لگی۔ جب سے یہ گاڑی اس نئے شخص کے ہاتھ آئی تھی انہیں ہنسنے کے لیے انتظار نہیں کرنا پڑتا تھا۔ اس گاڑی میں بیٹھا شخص ہر ایک کو ہنسانے کے فن سے خوب آشنا تھا۔

"بد ذوق لوگ ہیں یہاں کے" فلحال اس کی حالت پہ گاڑی کے ہر پرزے کو افسوس ہوا۔

"نہیں مطلب۔۔۔ میں یعنی کہ چلتا پھرتا برلن کا حسن انہیں دکھائی نہیں دے رہا۔ کمبخت! نابینا لوگ ہیں یہاں کے۔ خاص طور پہ لڑکیاں۔" وہ ہنوز بڑبڑا رہا تھا۔ گاڑی میں موجود شیشے نے خود پہ پڑتی اس کی خوبصورت آنکھوں کی گواہی دی۔ یہاں کے لوگ سچ میں اصل حسن سے نا آشنا تھے۔

"ویسے اگر لڑکی محبت کا اظہار نہیں کرتی تو یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ مشرقی پن دکھا رہی ہو۔" اچانک اسے خود کو تسلی دینے کا بہانہ ملا۔ میوزک پلئیر نے اسے داد دی۔ وہ منفی رخ میں بھی مثبت رخ تلاش کر ہی لیتا تھا۔

"یا پھر لڑکی کی بجائے اس کے باپ کو قائل کرنا چاہئے۔" اس نے اپنے دماغ پہ زور ڈالتے نئی نہج پہ سوچنا شروع کیا۔

"اب اتنے امیر لوگ مجھ سے کیوں متاثر ہونے لگے؟" ترکیب پہ عمل ہونے سے قبل ہی اس نے حقیقت کا رخ دیکھ لیا۔ گئیر کا دل کیا اس کی اداسی سمیٹ لے۔ آہ! مگر یہ تو کرائے کا شخص تھا۔ اس نے ساری ہمدردی اصل مالک کے لیے بچا لی۔

"یا اللہ! دوست شادی کر کے بیٹھا ہے اور مجھے گرل فرینڈ بھی نہیں مل رہی۔ یہ تو سراسر زیادتی ہے۔" چہرہ اوپر اٹھاتے اس نے شکوہ کیا۔ جب نظر واپس سامنے کی تو اچانک سامنے آئی بوڑھی عورت کو دیکھ اس نے سختی سے بریک پہ پاؤں دھرا۔ گاڑی سخت جھٹکے سے رکی۔ اس کا اپنا سر سٹئیرنگ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ محض چند انچ کے فاصلے سے وہ قاتل بنتے بنتے بچا تھا۔

پھر کیا تھا؟ وہ تیزی سے باہر نکلا۔ بوڑھی عورت کے ہاتھ سے گروسری کا سامان گر کے سڑک پہ پھیل گیا تھا۔ اسے سخت ندامت نے آن گھیرا۔

"ماں جی معاف کر دیں۔ بس پتا نہیں کیسے دھیان بٹ گیا۔"زید نے ندامت اور شرمساری سے سر جھکائے کہا۔

"بیٹے معافیاں مانگتے اچھے نہیں لگتے۔"وہ جانے کس احساس سے لبریز بولیں کہ زید پل بھر کو ساکت ہو گیا۔

"میں آپ کو گھر چھوڑ دیتا ہوں۔"سڑک سے سبزی، پیاز اٹھا کر شاپر میں ڈالنے کے بعد اس نے التجائیہ کہا۔شاید وہ اپنے گلٹ سے نکلنا چاہتا تھا۔جس کے ساتھ برا کیا ہو اس کے ساتھ اچھا کر کے انسان پچھتاوے سے نکل بھی سکتا ہے۔

"نہیں بچے میں چلی جاؤں گی۔"بوڑھی عورت نے اپنے دوپٹے سے چہرے پہ آیا پسینہ صاف کرتے ہوئے کہا۔غالبا پیدل سفر کرنے کے باعث ان کا چہرہ سرخ اور نم تھا۔

"ایسے نہ کریں۔ مجھے موقع دیں اپنی غلطی سدھارنے کا۔" اس نے مزید اصرار کیا۔ ایک بات تو طے تھی جب تک زید نائک اپنی غلطی نہ سدھار لیتا چین اس کو بھی نہیں آنا تھا۔

"بیٹے غلطیاں کب کرتے ہیں۔" اس عورت نے شکستگی کے زیر اثر دوسری بار اس طرز کی بات کہی تو زید کا دل اس بار سخت الجھن میں آیا۔ اسے اس بوڑھی عورت کے چہرے پہ لاچاری اور بے بسی کے سایے دکھے تو وہ نگاہیں پھیر گیا۔

پھر گہرا سانس بھر کر خود کو نارمل کرتے مقابل کو مخاطب کیا۔

"چلیں ماں جی" ان کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا تو وہ چاروناچار اندر بیٹھ گئیں۔ وہ خود دوسری جانب سے ڈرائیونگ سیٹ پہ آ کر بیٹھا۔

"ماں جی گھر کا پتہ بتا دیں۔" ان کے سامان کا تھیلا پچھلی سیٹ پہ رکھتے اس نے معلومات لینا چاہیں۔

"یہ بس تین چار گلیاں چھوڑ کر ہی ہے۔"زید نے سمجھ کر سر ہلایا۔ جدھر جدھر وہ اشارہ کرتی رہیں زید ادھر ہی گاڑی لے جاتا رہا۔ اور تین چار گلیاں دو کلو میٹر کے فاصلے پہ اختتام پذیر ہوئیں۔

وہ گھر کے باہر پہنچا تو ماں جی نے اسے اندر جانے پہ اصرار کیا۔

"نہیں ماں جی۔۔۔ میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔"اس نے تکلفانہ انکار کیا۔ ویسے بھی وہ اندر جانے کا بالکل ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

"میں نہیں جانے دوں گی تمہیں بچے۔ میری بیٹی آئی ہے باہر کے ملک سے۔ اس سے ملواوں گی تمہیں۔"وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ کیوں ملوانا ہے؟ مگر زبان کو سر کتے سر کتے پکڑا۔

"مگر ماں جی۔۔۔۔"

"ماں بھی کہتے ہو اور بات بھی نہیں مانتے۔" انہوں نے مان بھرے انداز میں شکوہ کیا تو زید چاہ کر بھی انکار نہیں کر سکا۔ ایسے لہجے کہاں سنے تھے اس نے؟ ایسے کس نے مان دکھایا تھا؟ اسے کہاں رشتوں کا سکھ نصیب ہوا تھا؟ اسے لیے وہ ایموشنل بلیک میل ہو کر باہر نکلا۔

وہ گیٹ سے اندر داخل ہوا۔ تو کچھ گڑبڑ کا احساس ہوا۔ ابھی وہ چند قدم ہی مزید چلے تھے کہ اندر سے چیخ و پکار سنائی دیا۔ اس نے ایک جانچتی نظر بوڑھی خاتون پہ ڈالی جو تیزی سے اندرونی دروازے کی طرف بھاگنے کو برسرپیکار تھیں۔ وہ فورا بوڑھی خاتون کے راستے میں حائل ہو کر انہیں روک گیا۔

"آپ اندر نہیں جائیں گیں۔ مجھے دیکھنے دیں۔" یہ بھی ہو سکتا تھا اندر خاندانی بحث چل رہی ہو جس میں شامل حال ہو کر وہ اپنی لیے نئی مصیبت کھڑی کر سکتا تھا۔ مگر اس کو پرواہ کہاں تھی۔

"مگر۔۔۔" ادھیڑ عمر خاتون نے مداخلت کرنا چاہی۔ ہو سکتا تھا کہ ایک بہو دوسری سے جھگڑ رہی ہو اور بیچارا انگریز کا بچہ اسے لڑائی سمجھ کر پولیس بلوا لے۔

ان کا دل ڈھیروں اندیشوں میں جکڑا گیا۔

"مجھے لگتا ہے اندر کوئی کاروائی ہو رہی ہے۔ مجھے دیکھنے دیں۔" ان کو تنبیہہ کرتے وہ دھیمی چاپ سے کھڑکی کی طرف آیا۔یہاں سے اندر کا منظر قدرے واضح تھا۔ اندر موجود لوگوں کو یرغمال بنایا گیا تھا۔ تو اس کا شک درست تھا۔اس نے گہری نظر ڈالتے منظر کو نگاہوں میں محفوظ کیا۔ایک عورت گھٹنوں کے بل بیٹھی نظر آئی۔غالباوہ اپنے بچاو کی کوشش میں گر چکی تھی۔ کیونکہ اس کے بندھے ہاتھ پاؤں اس کی علامت تھے۔ایک عورت ہانپتی کانپتی کھڑی تھی۔ان کے چہرے پہ منت بھرے تاثرات تھے۔دو جوان لڑکیوں کو ایک مرد نے زبردستی پکڑا ہوا تھا۔ساتھ ہی وہ معنی خیز جملے کس رہا تھا۔زید نے ضبط سے مٹھیاں بھینچیں۔گھر

میں ان دو ڈاکوؤں کے علاوہ کوئی مرد موجود نہ تھا۔ ان لڑکیوں کی عزت خطرے میں تھی۔ وہ واپس مڑا۔ بوڑھی عورت کو دیکھا جو آنے والی شرمندگی کو بھانپ کر پریشان ہو رہی تھیں۔ احساس اہانت سے ان کی آنکھیں نم ہونا شروع ہو چکی تھیں۔ زید کو لگا وہ آواز نکال کر سارا معاملہ خراب کر دیں گیں۔ اس نے انگلی کو اپنے لبوں پہ رکھتے انہیں خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا۔ پھر بغیر آہٹ پیدا کیے گاڑی تک آیا۔ پچھلی سیٹ کے نیچے رکھا اپنا پسٹل اٹھایا جو اس نے حفاظتی اقدامات کے طور پہ اپنے پاس رکھا تھا۔ آفٹر رول وہ منسٹر دانیال کمال کے ساتھ فراڈ کر کے نکلا تھا۔ کسی بھی وقت پھنس سکتا تھا۔ وہ بوڑھی عورت کو تھامے گاڑی تک لے کر گیا اور انہیں تسلیاں اور دلاسے دیتے اندر بٹھا کر گاڑی کا دروازہ مقفل کیا۔ پولیس کو فون کر کے اطلاع دی۔ وہ جانتا تھا کہ اسے فوری عمل کرنا ہے۔ وہ پولیس کے آنے کا انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے فون پہ ایک ایپ کھولتے لاوڈ

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

سپیکر آن کیا تو ایک بلند و سنجیدہ آواز اس چاردیواری میں سماعت بن کر پھیل گئی۔

"پولیس نے چاروں جانب سے اس گھر کو گھیر لیا ہے۔ اگر اگلے دو منٹ میں تم لوگ باہر نہ آئے تو نتائج کے ذمہ دار تم لوگ خود ہو گے۔" وہ نہایت رعب دار انداز میں بولا۔ حدید دیکھ لیتا تو مرعوب ہو جاتا۔ اس نے اپنے سر ایک بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ ناکامی کی صورت وہ جان سے بھی ہاتھ دھو سکتا تھا۔

اندر موجود مردوں نے حیرت و پریشانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر ایک غضبناک نظر ان خواتین کی جانب ڈالی جنہوں نے اس سارے میں اب جا کر سانس لیا تھا۔ کیونکہ انہیں مسیحا کی آمد کی اطلاع ملی تھی۔ ان کے دل نے اس وقت اس نقلی پولیس کو ڈھیروں دعائیں دیں۔

"تم میں سے کس نے پولیس کو فون کیا ہے؟" اپنے پسٹل کا نشانہ باری باری سب پہ باندھتے ایک ڈاکو نے سرخ آنکھوں سے پوچھا۔ دوسرے نے زبردستی اپنی گرفت میں لی لڑکیوں کو نیچے پھینکا۔ وہ اوندھے منہ زمین پہ گریں۔ انہوں نے پوری کوشش کی تھی کہ کالونی میں کسی کو بھی خبر نہ ہو اور اس گھر میں موجود تمام افراد بھی ان کے زیر حراست تھے۔ پھر پولیس کیسے آ گئی؟

زید نے کھڑکی کے پیچھے چھپتے اس منظر کو دیکھنے کے بعد شکر کا سانس بھرا۔ اب اسے اگلا پتہ پھینکنا تھا۔

"ہم خبردار کر رہے ہیں۔ اگر اگلے تیس سیکنڈز میں تم لوگوں نے خود کو پولیس کے حوالے نہ کیا تو ہمیں مجبوراً گولیاں چلانی پڑیں گیں۔" اس نے فون کو لبوں کے قریب کیے نیا عندیہ جاری کیا تو اندر موجود ان دونوں مردوں کی سٹی گم ہوئی۔

"تم لوگوں کو تو ہم چھوڑیں گے نہیں۔" دوسرے ڈاکو نے قہر برساتی نظروں سے سب کو دیکھ کر باور کروایا۔ زید جان گیا کہ وہ اناڑی ہیں۔ ورنہ بیوقوف لوگ کسی ایک لڑکی کو پکڑ کر اس کو ڈھال کے طور پہ بھی استعمال کر سکتے تھے۔ سچ کہتا تھا حدید دنیا بیوقوف لوگوں سے بھری پڑی تھی۔

"آخری دس سیکنڈز" کھڑکی سے ہٹتے اس نے الٹی گنتی گننا شروع کی۔ اسے اس کھیل میں اب مزہ آنے لگا تھا۔

"اس گھر کا پچھلا دروازہ ہے تو بتاو۔" ایک نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔ ان کے اڑی رنگت والے چہرے ان کی نااہلی کا بڑا ثبوت تھے۔ خطرے کا جو تھوڑا سا اندیشہ اس کے اندر سرائیت کیا تھا وہ بھی ہٹ گیا۔

"نہیں ہے۔" زید نے اندر آتے کندھے اچکا کر کہا۔ پھر ان کو ایک بھی لمحے کی فرصت دیے بغیر اس نے ایک آدمی کے پاؤں کے بالکل قریب فائر کیا۔ وہ

شخص پل بھر کو اچھلا۔ اکلوتا پسٹل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پہ گرا۔ جسے نازش نے آگے بڑھتے فوری اٹھالیا۔ زید نے تعریفی ابرو اچکائے۔ یہ خاتون قدرے دلیر تھیں۔ جوان لڑکیاں فوری دوسری خاتون کے پاس بھاگیں۔ گھٹنوں کے بل بیٹھی خاتون کھسک کر پیچھے کو ہٹی۔ ایک پل کے لیے ان کا دل لرز گیا۔ جانے آگے کیا ہونے والا تھا؟ کیونکہ سامنے کوئی پولیس نہ تھی۔ ایک نہتا انسان تھا۔ جو کہ کافی حد تک یہاں کا معلوم بھی نہ ہو رہا تھا۔ اور پھر اس کا پسٹل بھی جانے اصل تھا یا نقل؟ نہیں۔۔۔ نقلی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ آخر اسی پسٹل سے تو گولی نکلی تھی۔

وہ خواتین اور لڑکیاں مختلف اندیشوں میں گھر گئیں۔

"ہینڈز آپ!" زید نے کرخت آواز میں کہا تو انہوں نے فوری ہاتھ اٹھالیے۔ عین اسی پل پولیس کی گاڑیوں کی آواز سنائی دی۔ اور پھر دھڑا دھڑ اباوردی اہلکار اندر

آتے دکھائی دیے۔ دو لوگوں نے ان ڈاکوؤں کو گرفت میں لیتے ہتھکڑیاں لگائیں۔

ایس ایچ او نے زید سے مصافحہ کیا۔

"آپ کی اطلاع کا بے حد شکریہ" وہ اس ہنس مکھ چہرے والے شخص سے خاصا مرعوب ہو کر بولا۔ ایسے باہمت لوگ آج کل ناپید ہوتے جا رہے تھے۔

"اور آپ کے وقت پہ آنے کا" زید نے طنز کو میٹھے انداز میں پیش کیا تو ایس ایچ او مسکرایا۔

"غالباً آپ یہاں کے نہیں لگتے۔" اس کے صاف اظہار پہ وہ چاہ کر بھی اس گورے نما ایشیائی شخص کو کچھ کہہ نہ سکا۔

"درست پہچانا۔ میں جرمنی سے آیا ہوں۔" ازلی مسکراہٹ سجائے اس نے اپنی مستقل رہائش کا بتایا۔ جرمنی کے نام پہ نازش کی سماعت تیز ہوئی۔ پولیس اہلکار ان سیدھے سادھے نئے بنے ڈاکوؤں کو مجرم وین کی طرف لے گئے۔ چند کلمات کا

www.novelsclubb.com

تبادلہ ہونے کے بعد ایس ایچ او نے بھی رخصت لی۔ ایک لڑکی نے اپنی ماں کے ہاتھ پاؤں کھولے۔ پورا محلہ گویا یہیں امڈ آیا۔ افسوس جب ان خواتین کو کسی کی ضرورت تھی اس وقت سب اپنے گھروں کے دروازے مقفل کیے بیٹھے تھے۔ اور اب گوسپس کے لیے نئے موضوع پہ بحث و تمحیص کے لیے یکجا ہو چکے تھے۔ انہی میں ایک عورت بین ڈالتی اندر داخل ہوئی اور اس کے ہاتھ میں پکڑا سارا سودا سلف فرش کے سپرد ہوا۔ ایک پل کو زید اس اوور ایکٹنگ پہ حیران ہوا۔

"یہاں پاکستان میں تو مجھ سے بھی بڑے ڈرامے موجود ہیں۔" اس نے جھر جھری لے کر خود کلامی کی۔

"ہائے میری بچی! یہاں کیا ہو گیا۔ تو ٹھیک تو ہے؟" وہ عورت زمین پہ ان کے سامنے بیٹھتے تڑپ کر سوالیہ ہوئی تو زید کو اندازہ ہوا کہ وہ اس گھر کی ہی فرد تھی جو

غالباً باہر سے کچھ سامان لینے گئی ہو گی۔ اور اس کی عدم موجودگی میں یہ حادثہ رونما ہو گیا۔ اسے اپنی پچھلی سوچ پہ تھوڑا سا افسوس ہوا۔ بالکل تھوڑا سا۔

اس نے قدم باہر کی جانب بڑھائے تو نازش نے اسے آن گھیرا۔

"کدھر جا رہے ہو بیٹا؟" اپنے پیچھے کسی نسوانی پر شفیق آواز پہ وہ رکا اور مڑا۔

"وہ دراصل اس گھر کی رہائش پذیر جو اماں جی ہیں میں انہیں ڈراپ کرنے ہی آیا تھا انہیں میں نے گاڑی میں بٹھایا ہوا ہے۔" اپنے بالوں کو ہاتھوں سے بکھیرتے اس نے اصل وجہ بتائی تو نازش کے دل میں اس شخص کے لیے ڈھیروں دعائیں نکلیں۔ من ہی من انہوں نے اس کی بلائیں لے لیں۔

"اللہ تمہیں ہر خوشی دے بچے۔ تمہاری ساری خواہشات پوری ہوں۔ تم نے ہم پہ بہت احسان کیا۔ آج کل کے بے حسی کے دور میں کون کسی کی مدد کرتا ہے۔ وہ بھی اپنی جان خطرے میں ڈال کر۔" وہ اس کی مدح سرائی میں مشغول ہوئیں تو

www.novelsclubb.com

زید قدرے کنفیوز ہو گیا۔ گردن کے پیچھے ہاتھ لے جا کر سہلاتے ہوئے اس نے اتنی تعریف کو بمشکل ہضم کیا۔

"آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں آنٹی" زید نے خجل ہو کر کہا۔ اسے بھلا کب اتنی تعریفیں سننے کی عادت تھی۔ وہ کانوں تک سرخ ہو گیا۔

"میں ماں جی کو۔۔۔۔" موضوع سخن کی تبدیلی سے اس نے سابقہ تاثرات کو چھپانے کی سعی کی۔

"ارے ہاں ہاں امی کی طبیعت خراب نہ ہو جائے۔" وہ سب کو ان کے حال پہ چھوڑے زید کے ساتھ گاڑی کی طرف آئیں۔ جہاں ان کی امی مسلسل شیشہ پیٹی دکھائی دیں۔

"تم نے گاڑی لاک کی ہوئی ہے؟" وہ صدمے سے بولیں۔ اگر امی مزید کچھ دیر ایسے رہتیں تو یقیناً بے ہوش ہو جاتیں۔

"دراصل میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ جذبات میں سب خراب کر دیں۔" کان کی لو کو مسلتے اس نے وضاحت پیش کی۔ سامنے کھڑی بارعب خاتون کے الفاظ پہ غور کرتے اسے کچھ کچھ غلطی بھی محسوس ہوئی۔ صرف کچھ کچھ۔

"بالکل ٹھیک کیا بیٹا۔" اس کی معاملہ فہمی پہ وہ مزید اس کی معترف ہوئیں۔ زید نے کچھ کچھ غلطی کے بوجھ سے آزاد ہوتے گاڑی کا لاک کھولا تو ماں جی روتے ہوئے نازش کے گلے لگ گئیں۔

"تو ٹھیک ہے نا؟ اندر سب ٹھیک ہیں نا؟ میری بہوئیں اور پوتیاں؟" وہ سوال پہ سوال کرتی گئیں اور نازش انہیں پیار بھرے انداز میں تسلیاں دیتی گئی۔ زید کی آنکھیں نم ہوئیں۔ ایک پل کو اسے اپنی محرومیاں یاد آئیں۔ اگلے ہی پل وہ اپنے خول میں سمٹ گیا۔ زید نائک اپنی محرومیوں پہ رونے کی بجائے اپنے حاصل میں جینے والا انسان تھا۔ اس نے سابقہ تاثرات پہ مسکراہٹ کا لبادہ اوڑھا۔

وہ یہاں سے جانے کے ارادے سے ابھی آگے بڑھتا کہ نازش نے دوبارہ اسے روک لیا۔

"بیٹا میں نے سنا تم جرمنی سے آئے ہو۔"ان کا لہجہ تحقیقاتی و معلوماتی تھا۔

"جی"اس نے سر کو خم دیتے جواب دیا۔

"جرمنی میں کہاں سے؟"انہوں نے مزید جاننے کی خواہش ظاہر کی۔زید نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔

"دراصل میں برلن میں رہتی ہوں۔یہاں ایک ماہ کے لیے آئی تھی۔"اس خوبصورت لڑکے کے ماتھے پہ ابھری شکنوں کے جال کو ختم کرنے کے لیے انہوں نے بات مکمل کی۔

"اتفاق سے میں بھی برلن میں ہی رہتا ہوں۔"اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"سچ آ پلیزنٹ سرپرائز" وہ خوش ہوئیں۔ اور بہت ہوئیں۔ زید کو حیرت ہوئی۔ اور بہت ہوئی۔

"میں تم سے دوبارہ ضرور ملنا چاہوں گی۔" انہوں نے اسے آگاہ کرنا مناسب سمجھا۔

"شیور" زید نے قدرے تعجب سے ان کی فرمائش سنی۔ بھلا انہیں اس میں ایسا کیا دکھ گیا تھا جو دوبارہ ملنے کی خواہشمند تھیں؟

"کیا تم مجھے اپنا نمبر دو گے؟" اگلی فرمائش حاضر تھی۔ زید محض مسکرا ہی سکا۔ وہ ان خاتون کے دل و دماغ میں چلتے ارادوں سے یکسر بے خبر تھا۔ جان جاتا تو ابھی ان کو ساسو ماں کا خطاب دے کر جاتا۔

"ضرور" ان کو اپنا رابطہ نمبر دے کر وہ ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

گھر کے اندر جاتے ہوئے نازش نے اس شخص کی پیٹھ دیکھی۔ وہ گاڑی میں بیٹھا اور سٹارٹ کر کے چلا گیا۔ دروازے پہ کھڑی نازش نے حد نگاہ تک اس گاڑی کو

دیکھا۔ پہلی بار انہیں کوئی لڑکا اپنی ریجا کے لیے مناسب لگا تھا۔ وہ اسے شہروز سے ملوانے کا ارادہ کر چکی تھیں۔ یہ جانے بغیر کہ ان کے شوہر نامدار ماضی بعید میں اس لڑکے کا ڈنر خراب کر چکے تھے۔

☆☆☆

وہ کمرے میں داخل ہوا تو اسے غنودگی کے زیر سایہ پایا۔ کم از کم حدید کو یہی محسوس ہوا۔ ایک نظر اس کے سوگوار وجود پہ ڈالتے وہ آگے بڑھا۔ اس کے قریب بڑھتے ہوئے قدم آواز پیدا کرنے سے قاصر تھے۔ سست روی سے وہ اس کے قریب پہنچا۔

("ان کو اس حادثے سے خاصا دھچکا لگا ہے۔ سر پہ بھی خاصی چوٹ آئی ہے۔ ان کو دیا جانے والا انجکشن ان کے لیے کچھ مشکلات پیدا کر سکتا تھا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ وہ

کچھ واقعات اور چہروں کو سراسر بھول چکی ہیں۔"ڈاکٹر سنجیدگی سے سامنے بیٹھے شخص کو تمام حقائق سے آگاہ کر رہا تھا۔)

کچھ گز کا فاصلہ برقرار رکھتے وہ تھما اور اس کے بدلے حلیے کو دیکھا۔ سنہری بال اب کہ سفید پٹی سے آزاد تھے۔ مگر ان کی رنگت اور چمک ماند پڑ چکی تھی۔

("لیکن فکر مت کریں۔ امید ہے جلد ہی وہ سب بھولی بھٹکی یادیں ان کو یاد آ جائیں گیں۔")

حدید نے ہاتھ بڑھا کر ان ریشمی بالوں کے سنہری پن کو اپنی پوروں پہ محسوس کیا۔ وہ لٹیں جنہوں نے اس کے چہرے پہ سایہ کرنے کی کوشش کی تھی ان کو پرے کیا تو اس کا ملکوتی چہرہ بغیر کسی حیل و حجت کے اس کے سامنے عیاں ہوا۔ سیاہ آنکھوں نے دیر تک اپنی تشنہ دید کو سیراب کیا۔

("ابھی کے لیے بس آپ نے انہیں وقت دینا ہے۔ جب تک وہ خود ان واقعات کو یاد نہیں کرتی آپ ان سے اس متعلق کوئی بات نہیں کریں گے۔ وگرنہ ان کی ذہنی حالت مزید ابتر ہو سکتی ہے۔" خاصے برٹش لہجے میں بولتا ہوا وہ ڈاکٹر چہرے سے براعظم ایشیا کا مکین دکھتا تھا۔)

وہ اس کے قریب رکھی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ اس کا بایاں ہاتھ تھام کر اپنے ہاتھوں کی نرم گرم گرفت میں لیا۔ دوسری جانب سے کوئی حرکت نہ ہوئی۔ اگر وہ جاگتی ہوتی تو یقیناً اس گرماہٹ بھرے لمس پہ پرسکون ہو جاتی۔ حدید نے اس کے ہاتھ کی انگلیوں کو باری باری سہلاتے ہوئے اس کے وجود کو محسوس کیا۔ صبح والے واقعے کے بعد وہ اس کے سامنے نہیں آیا تھا۔ اب بھی اس کے سونے کی یقین دہانی کر کے ہی اس نے آنے کی ہمت کی تھی۔ اگر وہ اس کی موجودگی سے تکلیف میں آ رہی تھی تو حدید کو اس کا احترام کرنا تھا۔ لیکن وہ اپنے دل کو کیسے سمجھاتا جو

کئی گھنٹوں سے گھائل پرندے کی مانند تکلیف میں تھا۔ اس کی بے رخی نے حدید عالم کو کمزور کر دیا تھا۔ وہ اسے اپنی کمزوری نہیں بنانا چاہتا تھا مگر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی کمزوری بن چکی تھی۔ اس سے اسے کوئی انکار نہ تھا۔

"زخرف" اس نے مدھم سی پکار دی۔ کاش وہ آگے سے اسے اس کے نام سے پکارتی۔

مگر آہ! یہ زندگی سب کچھ کہاں دیتی ہے؟

"یہ کیا حلیہ بنایا ہوا ہے؟ تم تو ہر وقت نک سک تیاری رہتی ہونا۔ پھر اب ایسے۔۔۔یوں۔۔۔مجھے تمہیں یوں بستر پہ بیماروں کی طرح پڑے دیکھ بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔" اس نے معصومیت سے شکایت کی۔ جیسے وہ ابھی اٹھے گی اور تیار ہو کر کہے گی بتاو حدید کیسی لگ رہی ہوں؟ اپنی سوچوں پہ ہنستے وہ گویا خود کے ساتھ تمسخر کر گیا۔

"پہلے لگتا تھا تم سے دور چلا جاوں گا تو زیادہ تکلیف نہیں ہو گی۔"وہ اس کے ہاتھ کی انگلیوں پہ اپنا لمس چھوڑتے حال دل بیان کرنے لگا۔

"اب اندازہ ہوا تم چاہت ہی نہیں ضرورت اور عادت بھی بن چکی ہو۔"اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔چہرے پہ ایک کھوکھلی ہنسی ظاہر ہوئی اور کچھ ہی لمحات میں غائب ہو گئی۔

"مجھے خود سے دور نہیں کرنا۔"اس کے ہاتھ پہ گرفت مضبوط کرتے منت بھری سرگوشی کی۔اسے کھو دینے کا خوف ہر شے پہ غالب تھا۔یہ اس کے کمزور ہونے کا ثبوت تھا۔حدید عالم کمزور پڑ رہا تھا۔اپنی محبت کے آگے جھک رہا تھا۔

"جانتی ہو صبح سے میں کس اذیت سے دوچار ہوں۔"بستر پہ لیٹی لڑکی سے اپنی حالت زار بیان کی۔لہجے میں اتنا کرب تھا کہ کمرے کی ہر شے پگھل کر موم ہو گئی۔

"تم مجھ سے ناراض ہو جاو میں منا لوں گا۔ مگر یوں نہ کرو۔ "وہ اسے انتخابات کی اجازت دے گیا۔ اس نے زخرف کا ہاتھ جس پہ برنولا کی نشانی ثبت تھی اسے اپنے دل کے مقام پہ رکھا۔ ایک پل کو اس ہاتھ میں لرزش واقع ہوئی۔ مگر وہ اسے محسوس کرنے کا اہل کب رہا تھا۔

"یہ محسوس کرو۔ میرے دل کی ہر دھڑکن تمہارے نام ہو چکی ہے۔ "اس کے دل کا ساز مقابل کے دل میں جاتے خون کی رفتار کو زیر و بم کر گیا۔ جس سے وہ خود بھی نا آشنا تھا۔

"تم بھی تو میرے نام ہو چکی ہو نا۔ تو اب ایسے کیوں؟ "اس کے ہاتھ کو اپنے چہرے پہ رکھتے اس نے معصوم سا شکوہ کیا۔ وہ کل والی زخرف ہوتی تو اس کی حرکت پہ دلفریب ہنستی اور اتنا ہنستی کہ حدید دم سادھ لیتا۔

حدید نے اس کا ہاتھ احتیاط سے واپس بیڈ پہ رکھا۔ پھر اپنے کوٹ کی جیب سے ایک مخملی ڈبی نکالی۔ اسے کھولا تو ایک چمکتے سیاہ نگ کی خوبصورت انگوٹھی نے اپنے قیمتی ہونے کا احساس دلایا۔ سیاہ نگ کی اس قیمتی انگوٹھی کو اس کے بائیں ہاتھ کی چوتھی انگلی میں پہناتے ہوئے وہ ہلکا سا مسکرایا۔ اپنے عمل کے مکمل ہونے پہ اس کے ہاتھ کی پشت کو چوما۔

"مجھے قبول کرو زخرف" کرسی سے اٹھ کر اس کے ماتھے پہ بوسہ دیتے وہ دلگیر لہجے میں بولا۔ بیڈ پہ پڑی اس کی متاع حیات کا سانس سینے میں اٹک گیا۔ دوسرے ہاتھ کی گرفت بستر پہ مضبوط ہوئی۔ لبوں نے ایک دوسرے میں پیوست ہونے کی کوشش کی۔ اگر وہ مکمل ہوش و حواس میں ہوتا تو اس کے تاثرات بآسانی پہچان جاتا۔

"تمہیں جس نے نقصان پہنچایا ہے اس کی زندگی کو میں نے درد سے نہ بھرا تو خود تم سے دور چلا جاؤں گا۔" ایک عزم سے کہتے اس نے خود کو یا شاید مقابل کو یقین دلایا۔

فون کی بیپ نے اس کے نرم جذبات کو واپس سرد کر دیا۔ صبح سے اسے لاتعداد کالز آ چکی تھیں جن میں سوائے محمود آغا کی کال کے اس نے کسی سے بات نہ کی تھی۔ سوزین کی کال پہ وہ ہسپتال کے کمرے سے باہر نکلا تھا۔ مگر باہر نکلتے ہی کال بند کر دی تھی۔ اب والی کال پہ اس نے سکرین کو دیکھا جس پہ چمکتے نام پہ نگاہ جاتے اس نے گہرا سانس بھرا۔ کم از کم ابراہیم وجدانی وہ آخری انسان تھے جس سے اس وقت حدید ملنا چاہتا۔ اس نے فون واپس بند کرتے جیب میں ڈالا۔ پھر چہرہ جھکاتے اس کی بند آنکھوں کو باری باری اپنے لبوں سے چھوا۔ ان سیاہ آنکھوں سے حدید کو عقیدت تھی۔ ان کا لمس اس کی حیات تھی۔ ایک گہری نظر

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

زخرف پہ ڈالے وہ باہر چلا آیا۔ اس سے زیادہ دیر رکنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ وہ عجیب دوراہے پہ آ کھڑا ہوا تھا۔

☆☆☆

دروازہ بند ہو جانے کی یقین دہانی کے بعد اس نے آہستگی سے آنکھیں وا کیں۔ موتیوں جیسے شفاف آنسو لڑھک کر گال پہ پھسلتے چلے گئے۔ اپنی آنکھوں کے پپوٹوں پہ ہاتھ رکھتے اس نے حدید کے لمس کو محسوس کیا۔ اظہار محبت یوں ہونا تھا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ مگر وہ جواباً کچھ کہہ بھی نہ پائے گی یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

"تمہیں میرے ساتھ دھوکا نہیں کرنا چاہئے تھا حدید" شدت سے اپنے لبوں کو کاٹتے وہ خود پہ ضبط کے کڑے پہرے بٹھانے کی کوشش میں مصروف عمل ہوئی۔ اس جھٹکے نے اس کے دل کی سلطنت کو بڑی بے دردی، بے رحمی اور

www.novelsclubb.com

سفاکیت سے پاش پاش کیا تھا۔ اعتبار کا آغاز ہی اعتبار کا اجل ثابت ہوا تھا۔

بد گمانی نے شدت سے اسے اپنے آنچل کے زیر سایہ ڈھانپ کر خود میں محصور کیا۔ وہ بند قلع کی بلند و بالا دیواروں میں تنہا قید رہ گئی۔ جس چشم پوشی کے انتظار میں وہ مہینوں سے کوشاں تھی اس کی اصلیت کے قریب آتے محبت و اعتبار کم رتبہ رہ گئے۔ اس نے خود پہ باندھے ضبط توڑتے دل کو آزادی کی نوید سنائی تو اس کے غم کو محسوس کرتے دماغ نے اشکوں کے ذریعے اس کے بوجھ کو کم کرنے کی کوشش کی۔

آنسو۔۔۔ جو بہہ کر دل کو پاک کر دیتے ہیں۔

آنسو۔۔۔ جو بہہ کر روح کو تازہ کر دیتے ہیں۔

آنسو۔۔۔ جو توبہ کی زینت ہوتے ہیں۔

آنسو۔۔۔ جو محبت کی امانت ہوتے ہیں۔

www.novelsclubb.com

"میں تمہاری محبت قبول نہیں کر سکتی۔"بستر پہ سیدھے ہوتے اپنے ہاتھ کو اونچا کرتے اس نے سیاہ نگ کی قیمتی انگوٹھی کو دیکھا۔

یہ انگوٹھی ایک نشانی تھی۔بے اعتباری کی۔۔۔دھوکے کی!

اس نے انگوٹھی کو کھینچ کر انگلی سے باہر نکالا۔دل میں تکلیف کی لہر اٹھی۔ایسی شدید جس نے اسے سہما دیا۔

"اپنے محسوسات بھی دفن کر دوں گی۔"روتے ہوئے خود کو عہد سونپا۔انگوٹھی کو پھینکنے کی کوشش کی مگر ناکامی نے اس کا راستہ روک دیا۔وہ چاہ کر بھی اس کا تحفہ زمین کے حوالے نہ کرپائی۔بے بسی سے اس کی آنکھیں مزید بھر آئیں۔سیاہ آنکھوں نے آج بس رونے کی ٹھانی تھی۔وہ کتنی ہی دیر اس انگوٹھی کو ہاتھ میں لیے روتی رہی۔جب دل کا غبار نکل گیا تو آنسو پونچھ کر نرمی سے اس انگوٹھی کو دوائیوں کی ٹرے میں رکھ دیا۔

ڈاکٹر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو زخرف نے تشکر آمیز انداز میں انہیں دیکھا۔

"میرا ساتھ دینے کا بہت شکریہ" وہ ممنون لہجے میں گویا ہوئی۔ اسے بالکل امید نہیں تھی کہ جرمنی کے مکین پاکستانی سے اسے اتنی حمایت مل سکتی تھی۔ مگر وہ بھول گئی تھی کہ وہ ایک سیلیبریٹی تھی۔ وہی سیلیبریٹی جس کی شہرت کے چرچے جرمنی تک پہنچ چکے تھے۔

"شکریہ کی کیا بات ہے مس نور۔ بس آپ میرے گھر مدعو ہیں تاکہ میری بیٹی جو آپ کی مداح ہے اس سے آپ کی ملاقات کروا سکوں۔" ڈاکٹر نے اس کی رپورٹس ہاتھ میں لیتے بات مکمل کی۔

"آپ ایک اچھے باپ ہیں۔" صرف اپنی بیٹی کی خواہش پوری کرنے کے لیے وہ جھوٹ بولنے پہ تیار ہو گئے تھے۔ اسے ان کی محبت بہت پاکیزہ لگی۔ شاید سب

باپ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ بیٹیوں کی ہر خواہش پوری کرنے کی سعی پہ گامزن۔

اگر آج اس کا باپ بھی زندہ ہوتا تو وہ بھی اس کی ہر تمنا کا خیال رکھتا۔ باپ کے خیال پہ اس کی آنکھوں میں سرخی سمٹ آئی۔

"جب وہ آپ کو دیکھے گی تو مان جائے گی۔" انہوں نے آنے والے وقت کا سوچتے مسکرا کر کہا۔ نور کھوکھلی سی ہنسی ہنس دی۔ ڈاکٹر نے اسے مزید تجاویز پیش کیں۔ ہاں ایک سوال انہوں نے اب تک نہیں پوچھا تھا۔ کہ وہ ایسا چاہتی کیوں تھی؟

ایک اور سوال انہیں پریشان کیے ہوئے تھا۔ کہ یہ لڑکی شادی شدہ تھی تو میڈیا پہ یہ بات واضح کیوں نہ تھی۔ سامنے بیٹھی لڑکی ان کی بیٹی کی آئیڈیل تھی۔ اسی کی نسبت سے وہ اس کے بارے میں کافی کچھ جانتے تھے۔ مگر اس کے یہ تحفظات۔۔۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھے۔

لیکن خیر۔۔۔ان کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو اس کی پسندیدہ سٹار سے ملوانے والے تھے۔زخرف کو کچھ درد کش دوائیاں دے کر وہ کمرے سے باہر آ گئے۔وہ بیڈ پہ دراز ہوتے چھت کو دیکھنے لگی۔

"آپ کو میرے ساتھ جھوٹ نہیں بولنا چاہیئے تھا ماما"ماں کی کج ادائی کا غم بھولائے نہیں بھول رہا تھا۔تکلیف تھی کہ حد سے سوا ہو رہی تھی۔

"آپ سے میں نے دنیا میں سب سے زیادہ محبت کی ہے۔کم از کم آپ کو مجھے سب سچ بتانا چاہیئے تھا۔"گلے میں بنتے آنسوؤں کے گولے کو نگلتے اس نے جان سے بڑھ کر چاہے جانے والی ماں کا دھوکہ نگلا تھا۔اس کے اعتبار کو خاک کر کے انہوں نے اپنی بیٹی کو پستی میں دھکیل دیا تھا۔جانے وہ اب کس حد تک جاتی؟

☆☆☆

ہسپتال سے باہر نکلتے اس نے ایک بھاری سانس فضا کے سپرد کیا۔ پینٹ کی جیب میں اڑسا فون باہر نکالا اور کال ملائی۔ دوسری ہی بیل پہ کال اٹھالی گئی۔ چھوٹتے ہی پر شکوہ آواز ابھری۔

"تم اتنے لاپرواہ کیسے ہو گئے حدید؟" ابراہیم وجدانی کے لہجے میں تکلیف اور چبھن تھی۔

"کچھ ہوا ہے؟" اس نے لہجے میں پنہاں اذیت کی وجہ تلاشنا چاہی۔ یقیناً کچھ گڑبڑ تھی۔

"کنزہ صبح سے لاپتہ ہے۔ ہر گزرتا لمحہ میری ساری توانائی نچوڑ رہا ہے۔ میری بچی کسی غلط ہاتھ میں نہ چلی جائے حدید۔" وہ اپنی بیٹی کی عزت کی فکر میں گھلتے محض ایک باپ تھے۔ حدید کی پیشانی پہ ڈھیروں بل نمودار ہوئے۔ کنزہ غائب تھی۔ صبح

www.novelsclubb.com

سے غائب تھی۔ اور وہ لاعلم تھا۔ صبح سے لاعلم تھا۔ اس نے گہرا سانس فضا کے سپرد کیا۔ ابراہیم اس کی خاموشی سے بے چین ہوئے۔

"حدید" انہیں محسوس ہوا گویا رابطہ منقطع ہو گیا ہے اس لیے دوبارہ مخاطب کیا۔

"فکر مت کریں جن کے باپ دوسروں کی بیٹیوں کو بھی اپنی بیٹی سمجھتے ہوں ان کی بیٹی غلط ہاتھوں میں نہیں جا سکتی۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ جانے کیوں لیکن ابراہیم کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔

"کچھ ہوا ہے حدید؟" کسی خدشے کے تحت پوچھا۔

"کیا ہو سکتا تھا۔ بس میٹنگز میں مصروف تھا۔" اپنی سابقہ کیفیت کو مکمل سر نگوں کرتے اس نے عذر تراشا۔ شاید وہ بہل گئے یا شاید ابھی وقت کا یہی تقاضا تھا۔

"کنزہ کو ڈھونڈو حدید" بے چینی سے لبریز لہجے میں بیک وقت التجا اور حکم تھا۔

"آپ کو کم از کم مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم ہی اسے تلاش کر سکتے ہو۔"

"ہاں شاید۔ کیونکہ کھوئے رازوں سے تو میری پرانی نسبت ہے۔"

جانے وہ کیوں اتنا تلخ ہو رہا تھا۔ ابراہیم کو اس کی ذہنی حالت درست نہ لگی۔

"میں اسے آپ تک لے آؤں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔" اپنے سابقہ لہجے پہ نظر ثانی کرتے اس نے اب کہ نرمی سے کہا۔ جانے وہ کس کا غصہ کدھر نکال رہا تھا۔ ایسا تو وہ کبھی نہیں کرتا تھا۔ شاید یہ تلخی زخرف کی بے اعتنائی کا نتیجہ تھا۔ شاید وہ آنے والے کل کا سوچتے بے کیف ہو رہا تھا۔ اس نے سر جھٹک کر خود کو منتشر سوچوں سے آزاد کیا۔ فلحال اسے کنزہ کو تلاش کرنا تھا۔ اپنی دوستی کا فرض ادا کرنا تھا۔

☆☆☆

اردل کے ارادے سے واقفیت کے بعد منشاء نے اس کے قریب بیٹھتے اس سے طبیعت کا حال احوال دریافت کرنے کا ارادہ باندھا۔ اسے کسی نہ کسی طرح اسے

انجکشن لگانا تھا۔ ایک پل کو دل کیا بس درد رفع کرنے کا انجکشن لگا کر خود کو اس صورتحال سے نکال لے مگر سامنے بھی کوئی اناڑی نہ تھا۔ اگر وہ جان جاتا کہ منشاء نے اسے دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے تو آگے کیا ہوتا یہ وہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس نے جھر جھری لی۔ پھر چہرے پہ ایک پر شفیق، ہمدردانہ اور پرخلوص مسکراہٹ سجائی۔

"اب چکر تو نہیں آرہے؟"

"سر بھاری ہو رہا ہے میرا۔ یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے زخم ہے گہرا جو بھرا نہیں۔" کنزہ نے سر کے پیچھے ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی طبیعت کا بتایا۔ اسے بالکل اچھا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

"دکھاو" اس نے کنزہ کے بالوں کو کھسکاتے ہوئے دیکھا تو سر کی پچھلی طرف چوٹ دکھی۔ گو وہ اتنی گہری یا شدید نہ تھی مگر اسے یہی محسوس کروانا تھا۔

"آہ! یہ تو مجھے پہلے دکھی ہی نہیں۔ یہ تو کافی گہری چوٹ لگتی ہے۔ میں زخم صاف کر کے مرہم لگا دیتی ہوں۔" اس نے فرسٹ ایڈ باکس سے محلول کی شیشی نکال کر اسے روئی پہ لگایا پھر اس کے بالوں کے اوپر سے ہی اس زخم کو صاف کیا۔ محلول کو اپنے سر کی جلد ہی محسوس کرتے کنزہ نے درد کی شدت سے ہونٹ بھینچے۔ وہ مرہم لگا کر فارغ ہوئی۔ پھر کانچ کی ایک شیشی سے محلول انجکشن میں بھرنے لگی۔

"یہ انجیکشن کس لیے؟" اسے یہ عمل کرتے دیکھ کنزہ نے کچھ گھبراہٹ سے پوچھا۔

"درد ختم کرنے کے لیے" اس نے سادگی سے جواب دیا۔

"کیا اس کے بغیر ؟" وہ کچھ ہچکچائی۔

"آپ انجیکشن نہیں لگواتی؟" مردانہ آواز پہ کنزہ نے چونک کر سامنے دیکھا۔ جہاں سبز آنکھوں والا مرد قدرے تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کنزہ کو الجھن ہوئی۔ اور شدید ہوئی۔

"لگا دیں۔ "اس کی متعجب نگاہوں سے بچاو کے تحت کہہ دیا۔ اردل وہاں سے چلا گیا۔ گویا بس یہی دیکھنے آیا ہو۔ منشاء نے اس کے ستے چہرے کو افسوس سے دیکھا۔ پھر اس کی دائیں کلائی ہاتھ میں لی تو وہ متوجہ ہوئی۔ منشاء نے بے ہوش کر دینے والا محلول اس کے جسم میں اتارا۔ وہ گم صم سی بیٹھی رہی۔ پھر بازو سہلاتے اس سے مخاطب ہوئی۔

"ایک بات کہوں؟ یہ صرف میری حسیات ہیں آپ غیر متفق بھی ہو سکتی ہیں۔"

اسے اس لڑکی کا اتنا محتاط انداز اپنانا بہت بھایا تھا۔ اس کے چہرے پہ مسکراہٹ

رینگ گئی۔ یہ لڑکی بہت دلچسپ تھی۔ منشاء کا دل چاہا کہ وہ اس کے بارے میں سب کچھ جان لے۔

"کہو میں سن رہی ہوں۔" اس نے سر کو اثبات میں ہلاتے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"آپ کا یہ کزن بہت منفی وائبز دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو ایسا نہ لگے۔۔۔" اس کے چہرے کے تاثرات کو پرکھتے اس نے بات جاری رکھنے سے قبل ہی اپنا دفاع کیا۔

"اتنی صفائی مت دو۔ مجھے تو یہ منفی چیزوں کا مجموعہ لگتا ہے۔" اس کے اتنے محتاط انداز پہ مسکراتے ہوئے آخر میں منہ بسور کر کہا تو کنزہ کا چہرہ متغیر ہوا۔

"پھر یہ یہاں؟" اس نے اچنبھے سے دریافت کیا۔ سر میں درد کچھ کم ہونے لگا تھا مگر آنکھوں کے آگے دھند چھانے لگی تھی۔

"کیا کروں گھر اس کا ہے۔" اس نے شانے اچکائے۔ گویا وہ لاچار ہے بھی اور نہیں بھی۔ کنزہ کو نیند نے اپنی آغوش میں لینے کی خواہش ظاہر کی مگر اس نے اس کی مرضی کو مسترد کرنے کی کوشش جاری رکھی۔

"آپ اتنی اچھی نرسنگ کرتی ہو۔۔۔۔ ہسپتال میں جاب لگ سکتی ہے۔ بلکہ میں بابا سے کہہ۔۔۔ کر اپنی کمپنی۔۔۔۔" اس نے بات جاری رکھنے کی کوشش کی مگر غنودگی اتنی شدید تھی کہ وہ چاہ کر بھی بات مکمل نہ کر سکی اور بستر پہ ڈھے گئی۔

"غلط وقت پہ دے دیا انجکشن۔ سن تو لیتی کہ آخر محترمہ کی کونسی کمپنی ہے۔" اس پہ کمبل درست کرتے اسے گویا وقت کی بغاوت پہ کچھ غصہ آیا۔

"بیڑا غرق ہو تمہارا اردل یوسفزئی" جب تک اردل یوسفزئی زندہ تھا۔ منشاء درانی کی ہر بددعا کا مستحق صرف وہی تھا۔

☆☆☆

مراد نے سی سی ٹی وی چیک کروائے جس سے انہیں اس شخص کی پشت ضرور دکھی تھی جو کنزہ کو اٹھائے گاڑی میں بیٹھا تھا مگر نہ گاڑی پہ نمبر پلیٹ تھی نہ ہی وہ اس کا چہرہ دیکھ پائے تھے۔ جو چیز انہیں سہار ہی تھی وہ اسے اپنے بھائی کو بتانے سے قاصر تھے۔ کنزہ زخمی تھی اور کسی نامعلوم انسان کے پاس تھی یہ بات وہ کیسے اس کے باپ کو بتاتے۔ وہ جتنا سوچ رہے تھے اتنا دل پہ بوجھ بڑھ رہا تھا۔ بغیر ہیٹر کے کمرے میں بھی وہ پسینے سے شرابور ہو چکے تھے۔ ماتھے پہ شکنوں کا وسیع جال بنا ہوا تھا۔ ہونٹ آپس میں بھینچے ہوئے تھے۔ دماغ ہر زاویے سے تدابیر کر رہا تھا جب ان کا ماتحت دستک دے کر اندر داخل ہوا۔

"کیا رپورٹ ہے؟" بارعب چہرے پہ سخت سنجیدگی کے سایے تھے۔

"سر وہ گاڑی کچھ فاصلے پہ جانے کہاں گئی کہ کسی کیمرے میں اس کی نشاندہی نہیں ہو پا رہی۔" مقابل کچھ شرمندہ دکھ رہا تھا۔

"ڈیم اٹ" انہوں نے بند مٹھی کو زور سے میز پہ مارا۔ مقابل کو معاملے کی نزاکت کا احساس ہوا تو اس کا جھکا سر مزید جھک گیا۔

"اس سڑک کے ذریعے جہاں کہیں بھی جایا جاسکتا ہے ارد گرد کی ہر جگہ کھنگالو۔ مجھے ہر صورت اس گاڑی کا نشان اور مالک کا نام چاہیئے۔" لہجہ بے لچک تھا۔ وہ کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"سر ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں۔" مقابل نے صفائی میں کہنے کی کوشش کی۔

"صرف کوشش نہیں عمل چاہیئے۔ بلکہ رکو میں خود آتا ہوں۔ مجھے اس کیس میں ناکامی نہیں چاہیئے۔ سنا تم نے؟" میز پہ پڑا اپنا فون اٹھاتے وہ باہر کو بڑھے۔ ماتحت ان کی ہمراہی میں چل پڑا۔ جانے کیا معاملہ تھا جو مراد وجدانی نے صبح سے رات تفتیش میں گزار دی تھی۔ کھانا تو ایک طرف انہوں نے ایسپریسو تک

نہیں پی تھی۔ اور ڈیوٹی ٹائم آف ہونے پہ بھی وہ اتنے چوکس تھے۔ یقیناً معاملہ اس کی سوچ سے زیادہ اہم تھا۔

☆☆☆

عائشہ اس کے سراہنے بیٹھی تھیں۔ جب محمود آغا کی کال پہ انہوں نے ایک نظر کروٹ کے بل لیٹی نور پہ ڈالی جو آنکھوں کو حفاظتی باڑ میں قید کیے نیند کی آغوش میں پر پھیلائے ہوئے تھی۔ غالباً عائشہ کو یہی محسوس ہوا۔ انہوں نے بٹن دباتے بلا دھڑک فون کان کو لگایا اور رابطہ جوڑا۔

www.novelsclubb.com

"ہاں بابا"

"وہ ٹھیک ہے اب" غالباً مقابل نے نور کی خیریت پوچھی تھی۔

"ہاں ہاں حدید جانے کہاں چلا گیا ہے۔ کچھ بتا کر نہیں گیا۔" ان کے لہجے میں ماں کی ممتا تھی۔ فکر تھی۔ پریشانی تھی۔

"اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔" اب کی بار لہجہ اٹل تھا۔ وہ حدید کی حمایت میں خاصے مضبوط انداز میں بولیں۔ بستر پہ آنکھیں موند کر لیٹی زخرف کے دل میں چبھن اتری۔

"آپ جانتے ہیں آج میں نے سالوں پرانے کمزور حدید کو دیکھا۔" ان کے لہجے میں سایہ لہرایا۔ حزن کا، غم کا، ملال کا۔ مقابل نے ان کے لہجے میں اندر تک گہرا سکوت اترتا محسوس کیا۔

"اگر نور کو کچھ ہوتا تو وہ مر جاتا بابا۔" وہ نم آواز میں بولیں۔ ڈر اور خوف نے جیسے ان کی توانائی نچوڑ دی تھی۔ ایک طرف بیٹی تھی تو دوسری طرف امانت۔ وہ ایک وقت میں دو امانتیں سنبھال رہی تھیں۔

"کوئی اپنے دشمن کی بیٹی سے اتنی محبت کیسے کر سکتا ہے بابا؟"

انہوں نے گومگوں کی کیفیت میں استفسار کیا۔

اور زخرف کو لگا وہ اگلا سانس نہیں لے پائے گی۔ دشمن کی بیٹی سے کیا مراد تھی؟

کبھی کبھی ہوتا ہے نا ایسا جب آپ کو اپنا آپ بیوقوف محسوس ہوتا ہے۔ جب ہر ذی روح آپ کی نادانیوں اور کم علمی پہ تمسخر کرتا دکھائی دیتا ہے۔ جب کان کے پردوں میں بآواز بلند قہقہے سنائی دیتے ہیں۔ جب بینائی ہوتے ہوئے بھی انسان کو نابینا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ جب انسان رشک و فخر کے آسمان سے پٹخ کر زمین بوس ہوتا ہے۔ جب رات کی سیاہی وجود کا حصہ بنتی دکھائی دیتی ہے۔ جب چاندنی میں بھی وحشت نظر آتی ہے۔ ایسی کونسی کم فہمی کی کیفیات باقی تھیں جس کا ابھی زخرف نور نے تجربہ نہ کیا تھا۔

اس سے بہت کچھ چھپایا جا رہا تھا۔ اسے اب اس پردے کو چاک کرنا تھا۔ پھر چاہے اسے کسی بھی حد تک ہی کیوں نا جانا پڑے۔

☆☆☆

رات کے اس پہر ماحول میں عمیق گہرائی پنہاں تھی۔ وہ ائیر پورٹ کے لیے نکل رہا تھا جب ہمایوں کمال اس کی گاڑی کے پاس آئے اور اسے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ گھڑی پہ ایک نظر ڈالتے وہ باہر نکلا۔ حسن با کمال وقت کے اس پل سنجیدہ صورت دکھائی دے رہا تھا۔ ہمایوں نے ایک بھرپور اور مکمل نظر اس پہ ڈالی۔ کئی ساعتیں کٹ گئیں مگر خاموشی کا ایک طویل وقفہ تھا جو عبور ہو کے نہیں دے رہا تھا۔

"میں لیٹ ہو رہا ہوں۔ آپ نے کچھ کہنا تھا۔" ان کی مسلسل خاموشی سے خائف ہوتے وہ مصروف سا بولا۔

"ہوں۔" انہوں نے ہلکا سا ہنکارا بھرا تو برہان نے سوالیہ ابرو اچکائے۔

"کہیں" لہجہ سپاٹ تھا۔

انہوں نے اپنے اور اس کے درمیان کا فاصلہ عبور کرتے اس کے گرد بازو پھیلائے تو برہان گنگ ہو گیا۔

"ہیپی برتھ ڈے مائی سن" تاریخ پیدائش کو بالکل فراموش کیے انسان کو یوں غیر متوقع طور پہ مبارکباد ملنا یوں ہی ساکت کرتا ہے جیسے برہان کمال ہو گیا تھا۔

اسے کم از کم اپنے باپ سے اس چیز کی امید نہیں تھی۔ وہ پیچھے ہٹتے ان کے بازو اپنے وجود سے ہٹا گیا۔

"آپ نے کب سے میری سالگرہ یاد رکھنی شروع کر دی؟" وہ بولا تو لہجہ تمسخر اڑاتا ہوا تھا۔ ہمایوں کے دل پہ گرہ بندھی۔

"جب سے تم پیدا ہوئے ہو۔" اس کے لہجے کو بھلائے انہوں نے محبت سے کہا۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔" ان کے ہر جواز کو رد کرتے اس نے واپسی کے پر تولے۔

www.novelsclubb.com

"دلوں میں نفرتیں نہیں پیدا کرتے بیٹا۔ اپنوں کے لیے دل کا ایک بڑا حصہ وقف کرنا پڑتا ہے۔" انہوں نے نہایت سمجھداری سے اسے باور کروایا۔ رشتے قربانی مانگتے ہیں۔ اور وہ شاید اس وصف سے آگاہ نہ تھا۔

"میں نفرت جیسے جذبے پہ ہی یقین نہیں رکھتا۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولا تو ہمایوں کمال کو کچھ غلط محسوس ہوا۔

"اگر نفرت پہ یقین نہیں رکھتے تو محبت پہ کیسے رکھو گے؟" ان کے لہجے میں خوف عکس کرنے لگا۔

"مجھے ان دونوں جذبات سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔ لہٰذا ان سب میں وقت برباد نہیں کر سکتا۔" ہمایوں کو اس کے انداز نے سہما دیا۔ جوان بیٹا یہ کہے کہ وہ نہ محبت پہ یقین رکھتا ہے نہ نفرت پہ تو باپ کو ڈر جانا چاہیئے۔ وہ بھی ڈر گئے۔

"بہر حال میں جا رہا ہوں۔ ماما کو نہیں معلوم کہ میں نے ابھی نکلنا تھا ورنہ وہ یقینا ایموشنل ہو جاتیں اور میں اس سب کو دیکھنے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ انہیں دیکھ لیجیئے گا۔" لہجے کو نارمل رکھتے اس نے بات واضح کی تو وہ اس کے انداز پہ پچھلی دلسوز بات فراموش کر گئے۔

"تم جاو بیٹا۔ میں پیچھے سے سب سنبھال لوں گا۔" اس کے کندھے پہ تھپکی دیتے انہوں نے یقین دہانی کروائی۔ نہ بھی کرواتے تو برہان کو چنداں پرواہ نہیں تھی۔

وہ گاڑی میں بیٹھا تو ہمایوں نے ہاتھ ہلا کر اسے الوداع کہا جس پہ نہ چاہتے ہوئے بھی برہان کے لب مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ گاڑی سٹارٹ کرتے وہ ائیر پورٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابھی اسے دس سے بارہ گھنٹے کی فلائٹ لینی تھی۔

☆☆☆

لوگ دنیا کے لیے تخت بچھانے میں رہے

ہم نے جوتے کی طرح پہنی اور اتاری دنیا

اس نے برلن میں قدم رکھا تو ہوائیں لرز گئیں۔ سارے میں جامد سکوت چھا گیا۔ سورج بادل کی اوٹ میں ہو کر پوشیدہ ہونے کی کوشش میں سرگرداں ہوا۔ طیور نے ناک بھوں چڑھا کر رخ موڑ لیا۔ فضا نے چپکے سے اس کے قریب سے گزر جانا چاہا۔ ارض اس کے بھاری بوٹوں تلے دب کر رہ گئی۔

بیگ گھسیٹتے وہ ائیر پورٹ کے فرش پہ چلتا آرہا تھا۔ گہرے بھورے رنگ کی پینٹ پہ بے داغ سفید ٹی شرٹ پہنے، بھوری جیکٹ کو ایک کندھے پہ لٹکائے آنکھوں پہ سیاہ شیڈز لگائے وہ مضبوطی سے چلتے ہوئے ارد گرد لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ کئی سانسیں اس کو دیکھ پل بھر کو چلنا بھول گئیں۔ وہ قدرت کا حسین ترین شاہکار تھا۔ اس کے مشرقی حسن میں ایسی مغربی

جھلک تھی جو دلوں کو موم کر دیتی۔ سامان گاڑی میں لوڈ کروا کر وہ اپنی مطلوبہ منزل کی جانب رواں دواں ہوا۔

برلن کے حسن کو دیکھتے اس نے اپنی سرمئی آنکھوں کو پوشیدہ کرتے چشمے کو اتارا۔ سرور اور سرشاری نے جیسے اس کے حسن کو اعتماد بھی بخش دیا تھا۔ چند پل باہر دیکھنے کے بعد وہ فون پہ مصروف ہو گیا۔

گاڑی اس دو منزلہ گھر کے باہر رکی تو باوجود ہارن کے بھی جب کسی نے دروازہ نہ کھولا تو وہ خود باہر نکل کر آیا۔ پھر ایک خاص کوڈ ڈالتے اس نے دروازہ کھولا۔ ٹیکسی ڈرائیور اس کے اشارے پہ گھر کے اندر داخل ہوا۔ اسے اشارہ کرتے برہان نے اندرونی دروازے کے باہر سامان رکھوایا اور اسے واپس بھیجا۔ سامان کو وہیں چھوڑے وہ اندر داخل ہوا۔ اندر یوں سناٹا تھا گویا کسی کا وجود بھی موجود نہ ہو۔ اردل ،منشاء اور باقی تمام جانے کہاں غائب تھے۔ اس نے سرپرائز کے بارے میں

سوچا۔ پھر سر جھٹکا۔ اگر ار دل نے کہا تھا سرپرائز ہے تو ہو گا۔ کندھے اچکا کر وہ اپنے کمرے کی طرف جانے لگا جب اسے دائیں جانب موجود کمرے کا دروازہ کھلا ملا۔ یہ کمرہ تو صرف اس وقت کھلتا تھا جب کسی کو طبی امداد دینی ہوتی تھی۔ ضرور اسی کمرے میں اس کی مطلوبہ شے موجود تھی۔ وہ بھاری قدم اٹھاتے کمرے کی طرف بڑھا۔ سناٹے سے پر ماحول میں ان قدموں کی دھمک نے پراسرایت پیدا کی۔ کمرے کے قریب پہنچ کر اسے احساس ہوا کہ اندر سوائے سورج کی روشنی کے کوئی مصنوعی روشنی نہ تھی۔ دماغ نے کہا واپس مڑ جائے۔ غالبا غلطی سے اس کمرے کا دروازہ کھلا رہ گیا ہو گا۔ مگر دل نے چاہ کی کہ ایک بار دیکھا جائے۔ اس بار برہان کمال نے دل کی سن لی۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو دوائیوں کی بو ناک میں گھسی۔ اس کے چہرے پہ یک لخت ہی بیزار تاثرات پیدا ہوئے۔ روشن ماتھے پہ کئی لکیریں اجاگر ہوئیں۔ مگر اسی پل اس کی نظر کمبل میں لپٹے اس وجود پہ پڑی

اور پھر کمرے کی ہر شے نے دم سادھے اس کے ماتھے پہ بنی سلوٹوں کے جال کو بکھرتے دیکھا۔ نچلے لب کو دانتوں میں دبائے وہ پراسرار سا مسکرایا۔ پھر اس ہوش و خرد سے بیگانہ وجود کی طرف قدم بڑھا دیے۔ عین اس کے چہرے کے پاس رکتے اس نے اپنا چہرہ جھکائے اسے دیکھا۔ وہ بے حد محبت و شائستگی سے بنی مورت تھی۔ ایسا مجسمہ جو دیکھنے والے کو سحر زدہ کر دیتا۔ کھڑکی سے چھن کر آتی شمس کی نرم کرنوں نے اس کے وجود کو اتنا سنہری بنا دیا تھا کہ ایک پل کو برہان مبہوت ہو گیا۔ اس نے نادانستگی میں ہاتھ بڑھاتے اس کی ٹھوڑی پہ موجود زخم کو انگلی کی پوروں سے چھوا تو نیند میں بھی مقابل کے چہرے پہ تکلیف کے آثار نمایاں ہوئے۔ وہ ہاتھ پیچھے ہٹا گیا۔

"تمہارا برتھ ڈے گفٹ" اردل جو اس کی آمد کا اندازہ لگاتے اندر آیا تھا اسے دیکھ ابرو اچکائے فخریہ بولا۔ برہان نے کنزہ پر سے نظر ہٹائی۔

"جب تک میں خود باہر نہیں آتا تم مجھے اپنی شکل نہیں دکھاؤ گے۔ نہ ہی اس کمرے میں آؤ گے۔ انڈرسٹینڈ؟" وہ بے لچک انداز میں بولا۔ لہجے میں واضح تنبیہہ تھی۔

"اوکے باس"

اردلی کھینگی سے آنکھ دباتے مفرور ہوا۔ برہان نے دوبارہ ایک نظر آنکھیں موندے لیٹی معصوم لڑکی کو دیکھا۔ جس کے چہرے پہ سورج کی پر تپش کرنیں پڑ رہی تھیں۔ وہ سوئے ہوئے وجود کے قریب سے ہٹا اور کھڑکی تک آیا۔ وہاں کے پردے برابر کیے۔ سورج کی شعاوں کا راستہ رک گیا۔ پھر اس نے ایک بھی نگاہ اس لڑکی پہ ڈالے بغیر باہر کی راہ لی۔

☆☆☆

وہ کچن کی طرف آیا تو اردل جو اسی کے انتظار میں کرسی پہ بیٹھا تھا اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے گویا ہوا۔

"جانتے ہو نا کہ یہ لڑکی تمہاری کزن کے شوہر کی کزن ہے۔" اس کا انداز باور کرواتا ہوا تھا۔ گویا وہ اسے یاد کروانا چاہتا ہو۔

"اضافہ کرو اردل! یہ لڑکی ابراہیم وجدانی کی اکلوتی اولاد ہے۔ اور اس کی کمزوری بھی۔" دونوں ہاتھ میز پہ رکھ کر اس کے قریب جھکتے اس نے نہایت پر اسرار سی سرگوشی کی۔

"تمہیں محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔" وہ غالبا دور اندیش تھا۔ اسی لیے تاکید کرنا فرض سمجھا۔

"اوکم آن۔ کیا تم نے خود میرے لیے یہ سرپرائز نہیں چنا؟" میز سے ہاتھ ہٹا کر سیدھے کھڑے ہوتے اس نے جتا کر کہا۔ چہرے پہ سکون تھا جو اس کا خاصا تھا۔

"چنا تھا۔ لیکن اب مجھے اپنے فیصلے پہ افسوس ہو رہا ہے۔" اسے یقیناً برہان کے نہایت خوشگوار اور حیرت بھرے تاثرات کا انتظار تھا جسے نہ پا کر وہ سخت مایوس ہوا تھا۔ یا شاید وہ خطرے کی بو سونگھ چکا تھا۔ لیکن اس سرپرائز پہ اب وہ خود کو کوس رہا تھا۔

"لیکن برہان کمال کو کبھی اپنے کیے فیصلوں پہ پچھتاوے نہیں ہوتے۔" اس نے ہاتھ جھاڑ کر کہا۔

"کیا لو گے؟" وہ اسے مزید کوئی نصیحت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ناصح وہاں بنا جاتا ہے جہاں مقابل کو آپ کی نصیحت کی ضرورت یا طلب ہو۔ یہاں مقابل کو دونوں میں سے کسی کی بھی پرواہ نہ تھی۔

"تم جانتے ہو۔" وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے گویا ہوا۔

"میں خود تمہارے لیے جوس بنا کر لاتا ہوں۔" اردل کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"میں فریش ہونے جا رہا ہوں۔ کمرے میں مت آنا۔ میں خود نیچے آجاوں گا۔"

اسے تاکید کرتے وہ اوپری منزل پہ بنے کمرے کی طرف چل دیا۔ پیچھے اردل

فریج سے لوازمات نکالنے لگا۔ اسے برہان کمال کا پسندیدہ جوس بنانا تھا۔

☆☆☆

وہ دونوں لاوئنج کے صوفوں پہ آمنے سامنے براجمان تھے۔ درمیان میں رکھی میز پہ

ایک جانب جوس کا گلاس دھرا تھا اور دوسری جانب کافی کا مگ۔ برہان کے

چہرے پہ تھکاوٹ ناپید تھی۔ غالبا یہ سفر اس کا معمول تھے۔

ٹھنڈے جوس کے گھونٹ بھرتے اس نے بات کا آغاز کیا۔

"یہ کب سے ہے یہاں؟" اس نے دائیں جانب بنے کمرے کی طرف اشارہ کر

پوچھا۔ تازہ لیچی جوس اس کے حلق سے گزرتے معدے کی تاریکیوں کی طرف

روانہ ہوا۔

"کل سے" میز پہ رکھے کافی کے مگ کو تھامتے ہوئے اس نے مختصر سا جواب دیا۔

شاید وہ چاہتا تھا کہ وہ مزید سوالات پوچھے۔

"یہاں کیسے لائے ؟" وہ اس کے ادھورے جواب پہ مزید گویا ہوا۔

"بازوؤں میں اٹھا کر" اردل نے آنکھ کا کونا دبا کر چڑانے والے انداز میں جواب دیا۔ برہان نے ایک سخت تنبیہی نظر اس پہ ڈالی۔ جس پہ وہ فوراسیدھا ہوااور ساری تفصیل اس کے گوش گزار کر گیا۔

"میں نے تمہیں صرف نظر رکھنے کا کہا تھا۔ اپنے گھر لانے کا نہیں۔" وہ کچھ خائف تھا۔ کیونکہ اس کے چہرے پہ خوشی و ناخوشی کے جذبات تلاشنے ہی ناکام ٹھہرے تھے۔

"اب تمہاری نظر کو بھی تو یہ دیدار کروانا اشد تھا۔" وہ مزید شرارت سے گویا ہوا۔

"وہ لڑکی کہاں ہے؟" برہان نے موضوع تبدیل کیا تو اردل کچھ حیران ہوا۔

"منشاء کل رات سے غائب ہے۔" لہجے میں ہلکی سی پریشانی گھلی تھی۔ جانے یہ لڑکی کن کاموں میں مشغول رہتی تھی۔

"اس لڑکی کو سنبھال نہیں سکتے تو فارغ کرو۔" اس کا انداز ناصحانہ کم حاکمانہ زیادہ تھا۔ اردل کے چہرے پہ ناپسندیدگی ابھری۔

"میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا برہان" لہجے میں کاٹ تھی۔ برہان اس کے انداز پہ سیدھا ہوتے آگے کو جھکا۔

"کہیں۔۔۔۔" مشکوک نگاہوں سے اس کو دیکھتے قبل از وقت وہ کچھ کہتا کہ ایک معصوم اور دل موم کر دینے والی آواز نے اس کے باقی الفاظ چھین لیے۔

"منشاء۔۔۔۔ منشاء" دائیں جانب بنے کمرے سے مدھم سی پکارتی آواز آئی تو برہان بے ساختہ ہی صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"کہاں جا رہے ہو؟" اردل نے اسے بات چھوڑ کر اچانک کھڑے ہوتے دیکھ پوچھا۔

"وہ بلا رہی ہے۔" وہ نادانستگی سے کہہ گیا۔ پھر آنکھیں بند کر کے اپنے جذبات پہ قابو پایا۔

"کون؟" اردل نے اچنبھے سے پوچھا۔ اسے غالباً بالکل بھی کوئی آواز سنائی نہیں دی تھی۔

"جسے تم نے ایک رات سے یہاں رکھا ہوا ہے۔" طنزیہ لہجے میں کہہ کر وہ قدم بڑھانے لگا کہ اردل کے سوال نے اس کے اٹھتے پاوں ساکت کر دیے۔

"تو تم کیوں جا رہے ہو اس کے بلاوے پہ؟" برہان نے مڑ کر اسے دیکھا۔ اس کی نظروں میں تپش محسوس کی جا سکتی تھی۔

"تمہیں جانا ہے ؟" اس کی سرمئی آنکھوں سے اس بار سخت بیزاریت ٹپکی تھی۔ وہ اردل کو اس کے ارادوں میں کامیاب ہونے نہیں دے سکتا تھا۔

"ہینڈز اپ" اردل نے مزید کرید نامناسب نہیں سمجھا۔ وہ سکون سے کافی پینے لگا۔

برہان کو لگا تھا وہ فوری کمرے کی طرف جائے گا مگر یہاں تو الٹی گنگا بہہ رہی تھی۔

"میرے ساتھ چلو۔" اسے کافی کے ساتھ فون پہ مشغول دیکھ کر برہان نے چبا کر کہا۔

"کیوں تمہیں چلنا نہیں آتا؟" وہ اسے زچ کر رہا تھا۔ اور اسے بہت لطف آرہا تھا۔

"مجھے دیکھ کر چیخ ہی نہ مار دے۔" برہان نے اب کہ زور دے کر کہا۔ مقابل کے چہرے پہ مسکراہٹ ابھری۔

"اب تم اتنے بھی حسین نہیں ہو۔" صوفے سے اٹھ کر فون جیب میں ڈالتے اسے نادیبی نگاہوں سے گھور کر کہا۔

"شٹ اپ" اس کے فضول جملے کے جواب پہ اسے یہ دو لفظ بے حد مناسب لگے سو کہہ دیے۔ اردل نے اثر نہ لیا۔ البتہ اس کے چہرے پہ ایک گہری مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے۔ تو سر تھام کر بیٹھے اس مجسمے پہ نظر پڑتے ہی برہان کی آنکھیں چھوٹی ہوئیں۔ مجسمے نے سامنے دیکھا اور برہان کی امید کے برخلاف وہ بغیر کسی تاثر کے چند پل اسے دیکھتی رہی۔ وہ حیران ہوا۔ اسے کم از کم سامنے بیٹھے وجود سے اس چیز کی توقع نہیں تھی۔

"آپ۔۔۔۔" کنزہ نے اپنے دماغ پہ زور ڈالتے ہوئے کچھ یاد کرنے کی سعی کی تھی۔ برہان نے اس کے پل پل بدلتے تاثرات کو نہایت دلچسپی سے دیکھا۔

"میں؟" شوخ لہجے میں کہتے وہ کچھ قدم اس کے قریب ہوا۔

"میں نے آپ کو دیکھا ہوا ہے۔"اس کے پاس آنے سے یکسر لاعلم اس نے اپنی الجھن بیان کی تو برہان اس کی یادداشت پہ عش عش کر اٹھا۔

"پاکستان کی نامور شخصیات میں سے ایک ہے دیکھ لیا ہو گا۔ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔"اردل نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ تو اس کی موجودگی محسوس کرتے کنزہ کے چہرے پہ ناقابل فہم تاثرات ابھرے۔ برہان نے اردل کی موجودگی پہ اس کے چہرے پہ گھبراہٹ آتی دیکھی۔ وہ سہمی ہرنی کی مانند خود میں سمٹ گئی تھی۔ یوں جیسے وہ خود کو شکار ہونے سے بچانا چاہتی ہو۔

"منشاء۔۔۔ منشاء کو بلادیں پلیز۔ مجھے گھر جانا ہے۔" کمبل سے اپنے وجود کو چھپاتے ہوئے اس نے التجائیہ کہا۔

"منشاء تو یہاں نہیں ہے۔"برہان نے انتہائی پراسرایت سے اس کے سر پہ دھماکہ کیا۔ ساتھ ہی چند قدم مزید اس کی طرف بڑھائے۔

غیر محفوظ ہونا کیسا ہوتا ہے یہ کنزہ کو اب محسوس ہوا۔ پہلے وہ یہاں صرف اس لیے سکون سے بیٹھی تھی کیونکہ اس کے نزدیک اس گھر میں صرف منشاء تھی۔ باقی زیادہ تر وہ غنودگی کی دوائیوں کے زیر اثر رہی تھی۔ مگر اب اپنے سامنے دو انجان مردوں کو دیکھ کر اس کی جان حلق میں اتر آئی تھی۔ وہ تیزی سے بستر سے اٹھی۔ اس کا سر چکرایا مگر وہ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر بس یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ اسے اپنے ارد گرد خطرے کی گھنٹیاں بجتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"کہاں؟" اردل نے اس کے راستے میں آتے کر خنگی سے پوچھا تو وہ لرز گئی۔ کپکپاتے جسم کے ساتھ آنکھوں میں نمی لیے وہ لڑکی اپنی عزت کو خطرے میں محسوس کر رہی تھی۔ چاہے وہ جرمنی میں رہتی تھی مگر حدید اور افان کے علاوہ اس نے کبھی کسی مرد سے بے تکلفی نہیں برتی تھی۔ وہ دونوں اس کے اپنے تھے۔ مگر سامنے کھڑے دونوں مرد کنزہ ابراہیم کے لیے فقط رسوائی تھے۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"تم اسے ڈرا رہے ہو۔" برہان نے اسے بازو سے پکڑ کر پیچھے کھینچتے کان میں سرگوشی کی۔

"کیوں ہنسانا تھا کیا؟" جواباً اس نے طنزیہ پوچھا۔

"شٹ اپ" برہان نے اسے جھڑکا۔

موقع کا فائدہ اٹھاتے کنزہ تیزی سے باہر بھاگی تو اسے داخلی دروازے سے منشاء اندر آتی دکھائی دی۔

"تم کہاں تھی؟" اسے دیکھ کر کنزہ نے فوراً ہی سوال داغا۔ دل کو کچھ ڈھارس ملی تھی۔ منشاء نے پہلے ایک نظر اس کے سہمے وجود پہ ڈالی پھر دوسری نظر سامنے کھڑے برہان پہ۔ اس نے سر جھٹکا۔ کمبخت یہ شخص کیوں لوٹ آیا تھا؟

"میں یہیں تھی۔ تم گھبراو نہیں۔" اس کے قریب آ کر کہتے اس نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ کنزہ کی حالت اسے الجھا رہی تھی۔ وہ اتنی خوفزدہ کیوں تھی؟

"مجھے گھر جانا ہے۔" اس کے بالکل پاس آ کر رکتے کنزہ نے اپنے ارادے کا اظہار کیا۔

"چلو میں تمہیں گھر چھوڑ دوں۔" منشاء نے بہت اپنائیت سے کہا۔ کنزہ نے ممنون ہو کر اسے دیکھا۔ اردل نے منشاء کو تنبیہی نگاہوں سے دیکھا مگر وہ اسے سراسر نظر انداز کیے ہوئے تھی۔ لیکن برہان پہ نظر پڑتے ہی وہ اس کی آنکھوں میں چھپا پیغام پڑھ گئی۔

"اپنا چہرہ دھو لو۔ فریش ہو جاو۔ پھر میں تمہیں لے جاتی ہوں۔" برہان کی آنکھوں کی تنبیہہ تھی کہ وہ اسے فوری یہاں سے لے جانے پہ قادر نہ تھی۔

"نہیں پلیز۔ مجھے یہاں وحشت ہو رہی ہے۔ میرا سانس رک جائے گا۔" منشاء کے ہاتھ تھام کر کہتے ہوئے اس نے اپنی کمزوری عیاں کی۔ برہان نے دلچسپی سے اس

کی التجائیں سنی۔یہ لڑکی حساسیت کا بحر بے کراں تھی۔اور برہان کی زیرک نگاہوں نے یہ بخوبی جان لیا تھا۔

"ہمارے پاس تمام طبی سہولیات موجود ہیں۔فکر مت کرو سانس چلتا رہے گا۔"

اس نے کنزہ کے قریب بڑھتے پراسرایت سے اپنی خدمات پیش کیں تو وہ منشاء کی اوٹ میں چھپنے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

"ڈرو نہیں۔یہ اردل کا دوست ہے اور اچھا انسان ہے۔"منشاء نے اسے اپنے برابر کھڑا کرتے تسلی آمیز الفاظ کہے۔ایک پل کو برہان کے خوبصورت چہرے پہ مسکان جھلکی جسے وہ دانتوں تلے دبا گیا۔ان الفاظ میں ناپید سچائی محسوس کرتے کنزہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"تم رہنے دو۔ میں خود چلی جاؤں گی۔" وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی تو برہان تقریباً بھاگتے ہوئے اس تک پہنچا۔ راستے میں حائل ہوتے اس نے کنزہ کی راہیں مسدود کیں۔

"ننگے پاؤں مت جانا لڑکی۔ زخمی ہو جاوگی۔" اس سے محض چند انچ کے فاصلے پہ کھڑے ہو کر اس کی آنکھوں میں اپنی سرمئی آنکھیں گاڑتے اس نے باور کروایا۔ وہ اچانک اس کے سامنے آنے پہ جھٹکے سے رکی اور خود کو اس سے ٹکرانے سے بچایا۔ پھر اس کے لباس سے آتی خوشبو محسوس کرتے سانس روکا گویا یہ خوشبو اس کے لیے زہر سے بدتر تھی۔ برہان نے اس کی رکتی سانسوں کا اندازہ لگاتے اپنے لبوں پہ آتی دلفریب مسکراہٹ ضبط کی۔ اس نے اپنا چہرہ اس کے قریب جھکایا۔ مقابل کی بھوری آنکھیں بغداد کی مانند سوختہ حال مگر پرکشش تھیں۔ وہ اس کی اٹھتی گرتی پلکوں کے سائے میں عیاں و افشاں ہوتی بھوری آنکھوں کے مزید

قریب جھکا تو وہ ہلکا سا کھسکتے آنکھیں بند کر گئی۔ برہان نے اس کی بند آنکھوں پہ ہلکی سی پھونک ماری تو احساس ہتک سے کنزہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے جھٹ سے اپنی بھوری آنکھوں کے دروازے مکمل وا کیے۔ ایک پل کا کھیل تھا اور کنزہ کی آنکھوں میں لہو اتر آیا۔

" گھٹیا انسان پیچھے ہٹو۔ میں زخمی ہوں یا مر جاؤں تمہیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہئے۔ "اس نے برہان کے سینے پہ زوردار ہاتھ مار کر اسے دھکا دیا۔ وہ جو اس سہمی غزال کو بڑی دلچسپی سے دیکھنے میں مگن تھا اس اچانک پیش رفت پہ توازن برقرار نہ رکھ سکا اور قدرے لڑکھڑا گیا۔ کنزہ کی زبان میں لڑکھڑاہٹ مفقود تھی۔ اس کی دلکش بھوری آنکھوں سے نکلتے شعلے اسے بھسم کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ وہ خود کو بہادر دکھانے کی کوشش کر رہی تھی یا شاید برہان کے سامنے اس کی زبان کھل گئی تھی وہ اندازہ نہیں لگا پایا۔

"اونہوں مطلب تو کافی نکلتے ہیں تم سے۔ "اس کے سابقہ خطاب کو نظر انداز کیے اس کے پر کشش سراپے پہ بھرپور نظر ڈال کر ذو معنیت سے کہا تو وہ جو مضبوط بننے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی شدت سے ڈگمگا گئی۔ کنزہ کے قدم لڑکھڑائے تو برہان کی نظر دوبارہ اس کے ننگے پیروں کی جانب جھکی۔ اچانک ہی برہان کو اس معصوم پنچھی پہ ترس آ گیا۔

"منشاء اس لڑکی کے لیے جوتے لے کر آو۔ " نگاہیں ایک پل کو بھی کنزہ کے وجود سے ہٹائے بغیر اس نے حکم صادر کیا۔ اس کے قدرے نرم لہجے پہ کنزہ نے اس کے قریب سے گزر کر باہر نکلنے کی سعی کی۔ وہ بہت برا پھنس چکی تھی۔ دو لوگوں کی موجودگی میں بھی وہ شخص اسے ہراس کر رہا تھا۔ اور وہ کچھ کر بھی نہیں پا رہی تھی۔ بے بس اور کمزور ہونے کا احساس شدت سے اس پہ حاوی ہو رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

"اگر یہ لڑکی بغیر جوتوں کے باہر نکلی تو میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا۔" اس کی بھاگنے والی حرکت پہ برہان کا لہجہ بدلا تھا۔ بے حد سنجیدہ اور خوفزدہ کر دینے والا۔
کنزہ خوف سے اپنی جگہ تھم گئی۔ وہ اپنی وجہ سے اپنی مسیحا کے لیے مشکل نہیں کھڑی کر سکتی تھی۔

منشاء بھاگ کر کمرے سے اس کے لیے جوتے لے کر آئی اور اس کے پیروں کے پاس رکھے۔ وہ ہنوز سن کھڑی تھی جب دوبارہ برہان کی آواز گونجی۔

"خود پہنو گی یا میں پہناوں؟" اس کی پشت پہ کھڑے شخص کی نگاہیں اسے اپنے آرپار جاتی محسوس ہوئیں۔ اس نے جلدی سے جوتے پہنے اور ایک بھی نظر اس پہ ڈالے بغیر تیزی سے باہر کو بھاگی۔ منشاء کو شدت سے کنزہ پہ ترس آیا۔ وہ لڑکی جانے کس چیز کی سزا بھگت رہی تھی؟ اگر ان لوگوں نے اسے واپس ہی بھیجنا تھا تو ہراس کرنے کی کیا تک تھی؟ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

"مجھے تمہیں یہ بتانا پڑے گا کہ تم اسے اس کے باپ کے گھر اتار کر آو گی؟"اس کے دروازہ پار کرتے ہی ایک بار پھر برہان کی آواز نے ماحول کو سہا دیا۔ منشاء ایک بھی پل ضائع کیے بغیر باہر کو لپکی۔ اردل اس کی تیزی دیکھ کر شیطانی مسکرایا۔

"پھر کہتی ہے میں ڈرتی نہیں ہوں برہان کمال سے۔"اس نے دھیمی سی بڑبڑاہٹ کی۔ منشاء کی یہ جی حضوری دیکھ اس کے تپتے دل کو بڑا سکون میسر آیا تھا۔ اس کا اندازہ درست تھا۔ منشاء، برہان کمال سے سخت خوفزدہ تھی۔ وہ صرف اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے اس کے سامنے برہان کو برا کہتی تھی۔ لیکن اب نازک چڑیا کی طرح سہم گئی تھی۔

www.novelsclubb.com

"اس کا کزن نہیں آیا اسے تلاش کرنے؟" برہان کے سوال نے اسے سوچوں کے جال سے باہر نکالا۔ اس نے صوفے پہ بیٹھے شخص کو دیکھا جو اب سکون سے باقی بچے جوس کے گھونٹ پی رہا تھا۔

"تم حدید کی بات کر رہے ہو یا اس دوسرے لڑکے کی؟" اس کے سامنے والے صوفہ پہ براجمان ہوتے اس نے استفہامیہ پوچھا۔ اس کی کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اس نے اسے پینے کا ارادہ ترک کیا۔

"حدید عالم" سرمئی آنکھوں میں انگارے جھلستے دکھائی دیے۔

"نہیں۔ میں تو خود حیران ہوں کہ وہ شخص ابھی تک اپنی کزن کے پیچھے کیوں نہیں آیا؟" چہرے پہ پر سوچ تاثرات سجائے اس نے اچنبھے سے دریافت کیا۔ کیونکہ اس کی اطلاعات کے مطابق ابھی کوئی شخص ان کے ٹھکانے کے قریب نہیں پہنچا تھا۔

"کزن ہو گی تو ہی پیچھے آئے گا نا۔" برہان نے طنزیہ مسکراہٹ لیے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔ کیونکہ برہان کی بات اس کے بالکل پلے نہیں پڑی تھی۔

"فارغ وقت بتاؤں گا۔" وہ صوفے سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"ابھی تو جیسے تم آپریشن نپٹانے جا رہے ہو۔" اردل ناراض ہوا۔

"کیا معلوم کسی دن تمہارا آپریشن بھی میرے ہی ہاتھوں ہو جائے۔" معنی خیز جملہ ادا کرتے اس نے دائیں آنکھ کا کونا دبایا۔

"اوہ میں تو ڈر گیا۔ دیکھو میرا تو جسم کانپنے لگ گیا۔" وہ اس کے ہر عمل سے متاثر ہوئے بغیر قدرے مضحکہ خیز انداز میں بولا۔ برہان اس کی اداکاری کو نظر انداز کرتے باہر نکل گیا۔ اسے فلحال کسی اہم کام سے جانا تھا۔

☆☆☆

رات کا تیسرا پہر تھا جب وہ یک منزلہ گھر میں داخل ہو کر سیدھا اپنے کمرے میں گیا۔ پھر الماری سے کپڑے نکال کر واش روم گھس گیا۔ نہانے کے بعد وہ اپنی سابقہ کیفیات سے کافی حد تک دامن بچا چکا تھا۔ اس کا ذہن مختلف حالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ کچھ چیزیں اسے ابھی تک کھٹکا رہی تھیں۔ مگر ان پہ کچھ دیر بعد میں بھی سوچا جا سکتا تھا۔ کوٹ پہننے کے بعد اس نے سوزین کو کال ملائی۔

"ڈیڈ یا افان آفس تو نہیں آئے؟" سرد و سپاٹ لیکن تفتیشی لہجہ تھا۔

"نہیں باس"

"گڈ! میں کہاں تھا؟"

"آپ میٹنگ کے سلسلے میں ہامبورگ گئے تھے باس" وہ اس کے روبوٹک انداز پہ مطمئن ہوا۔

"ماں کی طبیعت کیسی ہے؟" اب کہ لہجے میں پہلی والی سرد مہری نہیں تھی۔

"آپ کی بہت احسان مند ہوں باس۔ آپ نہ ہوتے۔۔۔"

"میں نہیں تو کوئی اور ہوتا۔ لیکن جب تک میں ہوں اگر وفاداری کسی اور کے لیے ہوئی تو۔۔۔" بقیہ الفاظ گوش گزار کرنے کی اسے بالکل ضرورت نہیں تھی۔

مقابل کو بخوبی علم تھا۔

"نہیں ہوگی۔" سوزین نے وفاداری و تابعداری کا ثبوت دیا۔

حدید نے کھٹاک سے فون بند کیا۔ اسے سوزین کی وفاداری پہ یقین تھا۔ آفٹر رول وہ اس کی کمزوری سے واقف تھا۔ اور اسے کب، کہاں اور کیسے استعمال کرنا ہے یہ بھی بخوبی جانتا تھا۔

☆☆☆

برلن کی سڑکوں پہ سفید کار مناسب رفتار سے گامزن تھی۔ اسے دو منزلہ گھر سے نکلے تقریباً پانچ منٹ بیت چکے تھے مگر گاڑی کی فضا میں گہری خاموشی رچی بسی

تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھی منشاء گاہے بگاہے اس پہ نظر ڈال لیتی۔ مگر اب یہ خاموشی اسے الجھن زدہ کرنے لگی تھی۔

وہ اس کے ہمراہ ساتھ والی نشست پہ سمٹی بیٹھی تھی۔ منشاء نے اسے مخاطب کیا۔

"ہم تھوڑی دیر میں تمہارے گھر ہونگے۔" لہجہ تشفی آمیز اور اپنائیت سے بھرپور تھا۔ یہ لڑکی نہایت بے ضرر تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ منشاء پہلی بار کسی صنف نازک سے قریب ہو رہی تھی۔ وہ جو وہم و اندیشوں میں گھری ماضی و مستقبل کے مناظر بننے میں مگن تھی اس کے بتانے پہ توجہ اس کی جانب منعطف کی۔ کئی لمحے وہ منشاء کے چہرے کو دیکھتی اور کھوجتی رہی۔ اس کی نگاہوں کے مسلسل ارتکاز کو محسوس کرتے منشاء کچھ جزبز ہوئی۔ منشاء نے گلا کھنکھار کر اس کا دھیان بھٹکانا چاہا۔ جس میں وہ کامیاب ٹھہری۔ کنزہ نے نگاہیں سامنے نظر آتی سڑک پہ مبذول کر لیں۔

"آپ ان لوگوں میں مت رہو۔ وہ دونوں خطرناک معلوم ہوتے ہیں۔" ہنوز سامنے دیکھتے اس نے ساتھ بیٹھی لڑکی کو آگاہ کرنے کی سعی کی۔ ایک تو یہ لڑکی جب "آپ" کہتی تھی تو منشاء نہ چاہتے ہوئے بھی گدگدا جاتی تھی۔

"اب میں بھی کوئی معصوم دوشیزہ نہیں ہوں۔" اس کی رائے جاننے کے بعد منشاء کے چہرے پہ بڑی گہری مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"کیا مطلب؟" وہ اس کے الفاظ سننے سے محروم رہی تھی۔

"وہ دونوں بالکل بھی خطرناک نہیں ہیں۔" تحمل سے رک رک کر وضاحت دینا چاہی۔ وہ بلاوجہ اتنی خوفزدہ ہو گئی تھی۔

"آپ نے دیکھا نہیں وہ سبز آنکھوں والا کتنی سفاک نظروں سے دیکھتا ہے جیسے قتل کر دے گا۔" کنزہ نے اسے مزید ڈرانا چاہا۔ منشاء نے اپنے ابھرتے قہقہے کو بمشکل ضبط کیا۔

www.novelsclubb.com

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"اور سرمئی آنکھوں والا؟" چند پل کو سامنے سے نظر ہٹا کر اس نے کنزہ کی طرف دیکھ کر استفسار کیا۔ کنزہ نے کم فہمی سے اسے دیکھا۔ یقیناوہ پہچان نہ پائی تھی۔

"سبز آنکھوں والے کا دوست" اس نے برہان کا نام لینے کی بجائے یہ تعارف مناسب سمجھا۔ ایک پل کو کنزہ جھرجھری لے کر رہ گئی۔

"اس نے دیکھا تو جان حلق میں آ گئی۔ اس نے بولنا شروع کیا تو سانس اٹک گئی۔ وہ پاس آیا تو مجھے اپنا آپ غیر محفوظ لگا۔ اس نے حکم دیا تو۔۔۔" وہ ٹرانس کی کیفیات میں بولتی چلی گئی۔

"تم نے مان لیا۔" منشاء نے اس کا بقیہ جملہ اچک لیا۔

"موت سر پہ کھڑی ہو گی تو ہتھیار ڈالنے کے علاوہ کیا کیا جا سکتا تھا؟" وہ بے بسی سے بولی۔

"خیر وہ تمہیں بالکل نہیں مارتا۔" منشاء نے یقین دہانی کروانا اشد جانا۔

"مجھے کوئی کیوں مارے گا؟ میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟" وہ کچھ ناراضی بھرے انداز میں بولی۔ بھلا اس سے کسی کو کیوں بیر ہونے لگا؟ یقیناوہ دونوں مرد صرف اسے ڈرانے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ اس کی حالت سے حظ اٹھا سکیں اور نا چاہتے ہوئے بھی کنزہ واقعی ڈر گئی تھی۔ ہر وہ لڑکی جو نامحرم مردوں کے درمیان گھری ہو اسے یوں ہی خوف محسوس ہوتا ہے۔ اور یہ بزدلی نہیں ہوتی۔ اس نے خود کو دلاسہ دیا۔

"بعض اوقات آپ نے نہیں آپ کے کسی بہت قریبی نے کسی کا بہت کچھ برباد کیا ہوتا ہے۔" منشاء بولی تو لہجے میں عجیب سی الجھن گھلی۔

"میرے قریب جو لوگ ہیں وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔" وہ پختگی سے گویا ہوئی۔

"ہر انسان کو یہی خوش فہمی لاحق ہوتی ہے۔"اس نے متاثر ہوئے بغیر جواب دیا۔ کنزہ خاموشی سے فاصلہ سمٹتے دیکھنے لگی۔اس کا گھر،اس کے اپنے بہت قریب آرہے تھے۔

"مجھ سے ملوگی دوبارہ؟"منشاء نے کسی امید کے تحت پوچھا۔

"جہاں وہ دونوں نہ ہوں۔"ساتھ ہی واضح بھی کر دیا۔تاکہ انکار کا جواز باقی نہ بچے۔

"ہاں۔آپ میری مسیحا ہیں۔اور میں احسان فراموش نہیں ہوں۔"وہ خوشدلی سے گویا ہوئی۔

"اونہوں۔۔۔اس رشتے سے نہیں۔اب ملیں گے تو دوست بن کر ملیں گے۔"

منشاء نے دوستی کا ہاتھ بڑھاتے کہا۔

"میں دوست نہیں بناتی۔ "ایک پل کو حدید عالم کا چہرہ پورے طمطراق سے آنکھوں کے پار چمکا۔ وہ واحد دوست تھا۔ وہ واحد ہی کافی تھا۔ کنزہ کو کسی اور کی طلب نہ تھی۔

"تم نے سنا نہیں دوست بنائے نہیں جاتے،دوست تو بن جاتے ہیں۔"وہ فلسفیانہ انداز میں گویا ہوئی۔ چہرے پہ نرم سے تاثرات تھے۔

"شاید ہم بھی کبھی دوست بن جائیں۔" کنزہ بولی تو آواز بہت دھیمی تھی۔

"تمہاری منزل آ گئی۔" گھر کے عین سامنے گاڑی روک کر اس نے کنزہ کو آگاہ کیا۔ دیکھ تو وہ بھی چکی تھی مگر دل میں کھلبل سی مچی ہوئی تھی۔ذہن میں شور ہو رہا تھا۔ڈھیروں آوازیں۔۔۔اس کا سر درد کرنے لگا۔

شل ہوتے دماغ سے وہ گاڑی سے باہر نکلی۔جانے کیوں لیکن دل وہ خوشی محسوس ہی نہیں کر پا رہا تھا جو اسے کرنی چاہیے تھی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"چلیں "منشاء کو ہنوز گاڑی کی سیٹ پہ بیٹھا دیکھ کنزہ کھڑکی سے اندر کو جھکتے ہوئے بولی۔

" کہاں ؟"اس نے نا سمجھی سے پوچھا۔

"اندر"

" نہیں میں نہیں آؤں گی۔ "صاف انکار تھا۔

" کیوں ؟"

"تم گھر جاو گی اور ایک انتہائی جذباتی قسم کا سین ہو گا۔ اور مجھے بالکل بھی ایسا کوئی نظارہ نہیں دیکھنا۔"اس نے صاف گوئی کی انتہا کر دی۔ کنزہ ششدر اس کو دیکھتی رہ گئی۔

"آپ بہت۔۔۔"

"ہاں ہاں معلوم ہے عجیب ہوں۔ "اس نے خاطر خواہ اثر نہ لیا۔

"نہیں۔ آپ بہت گہری ہیں۔" نفی میں سر ہلا کر اس کے اندازے کو غلط قرار دینے کے بعد اس نے اپنا تجزیہ سامنے رکھا۔ وہ اس کے صاف انکشاف پہ پل بھر کو ساکت ہوئی۔

"اچھا اب اپنے فلسفے اگلی ملاقات کے لیے بچا کر رکھنا۔ مجھے کسی ضروری کام سے جانا ہے۔" اس نے جلد بازی کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ حالانکہ اس نے جانا ابھی گھر ہی تھا۔

"ہم دوبارہ کیسے ملیں گے؟" وہ پرامید بولی۔

"تقدیر ملوائے گی۔" کنزہ سیدھی ہو کر خاموش ہو گئی۔ منشاء گاڑی کا رخ موڑتے چند لمحات میں گم ہو گئی۔

☆☆☆

وہ غائب دماغی سے کھڑی سڑک کو دیکھ رہی تھی جب حدید کی گاڑی وہاں آ کر رکی۔ وہ اسے ڈھونڈنے سے قبل ایک بار ڈیڈ سے ساری معلومات لینے کے لیے گھر آیا تھا۔ لیکن کنزہ کو صحیح سلامت اپنے سامنے پا کر اسے ابراہیم کی باتوں نے شک میں مبتلا کیا۔ انہوں نے حدید سے جھوٹ کیوں بولا؟

پر سوچ نظروں سے اسے دیکھتے وہ باہر نکلا اور گم صم کھڑی کنزہ کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ حواسوں میں لوٹی۔ اسے اپنے قریب کھڑے دیکھ کنزہ کو اپنے گرد حفاظتی حصار محسوس ہوا۔ اسے لگا ابھی وہ اسے بتائے گا کہ وہ کیسے کل سے بے کلی کا شکار تھا۔ اس نے کہاں کہاں نہیں اس کو ڈھونڈا۔ پوری رات وہ کیسے پریشان رہا۔ وہ اس کے بولنے کی منتظر تھی۔

"تم تو لاپتہ نہیں تھی؟" آنکھوں میں تعجب لیے اس نے سوال داغا تو کنزہ کی ہر خوش فہمی زمین بوس ہوئی۔ دل پہ بڑی شدت سے چوٹ لگی۔

"تم نے مجھے ڈھونڈنے کی کوشش کی؟" کسی امید کے پیش نظر پوچھا۔ کم از کم اب وہ یہ ضرور کہے گا کہ کوشش؟ کنزہ کل سے تمہیں تلاش کرتے کرتے میں نے خود کو کھو دیا۔ مگر اس کے اگلے جملے نے اس کے جذبات مزید مجروح کر دیے۔

"جو لوگ تلاش کیے بغیر ہی مل جائیں ان کی جستجو میں کیونکر نکلا جائے۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ چہرے پہ نا فہم تاثرات تھے۔ اور آنکھیں رت جگی کا عکس تھیں۔ اگر وہ رات جاگا تھا تو کس کے لیے؟ اگر کنزہ نہیں تو کون؟

"تمہارا لب و لہجہ یہ کیوں کہہ رہا ہے کہ تم میری گمشدگی سے واقف بھی تھے اور نا واقف بھی۔" اب کہ وہ بولی تو لہجے میں ٹوٹے مان کی کرچیاں اور آنکھوں میں ضبط کی سرخ لکیریں تھیں۔ حدید نے ایک مکمل نظر اس پہ ڈالی۔ کنزہ کا لباس، اس کے بازو پہ بندھی پٹی، چہرے کی زردی اور آنکھوں کی بجھی جوت اس کے ساتھ

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

ہوئے حادثے کا ثبوت تھی۔ وہ واقعتاً کسی حادثے سے گزر کر یہاں کھڑی تھی۔

شدید ندامت نے حدید کے وجود کو اپنے حصار میں لے لیا۔

"تم ٹھیک ہو؟" اب کہ وہ بولا تو لہجے میں فکر مندی تھی۔

"کاش یہ سوال تم آغاز میں پوچھتے۔" گریہ کرتے دل کو تھام کر سرد مہری سے کہتے وہ اندر بڑھنے لگی تو حدید بے ساختہ اس کے آگے آگیا تا کہ وہ رک جائے۔ وہ رک گئی۔ حدید روکتا تو وہ ہمیشہ رک جاتی، تھم جاتی۔ مگر سارا مسئلہ ہی یہ تھا کہ وہ اسے روکتا ہی نہ تھا۔

"آئی ایم سوری" اس نے جھکے سر سے معافی کی درخواست پیش کی۔ اسے یقین تھا وہ اسے معاف کر دے گی۔

"اگر میں مر جاتی یا غلط لوگوں کے ہاتھ لگ جاتی تو میری میت پہ بھی یہی الفاظ بولتے نا؟" وہ پوچھ رہی تھی یا شاید بتا رہی تھی۔ لیکن وہ اس کے وجود کو اپنے الفاظ کی کاٹ سے مار رہی تھی۔

"جانتے ہو ان دو دنوں میں مجھے تمہارے اور بابا کے علاوہ کسی کا خیال نہیں آیا۔" اس نے اسے یاد کروایا کہ وہ کنزہ ابراہیم ہے جسے خود سے زیادہ اس کا باپ اور حدید عزیز ہیں۔

"میں شرمندہ ہوں۔" وہ شرمندگی سے زمین میں گڑ گیا۔ وہ اس سے دوستی کا دعویدار تھا۔ اور اس کی دوست پچھلے چند گھنٹے جانے کس اذیت سے گزری تھی اس امید پر کہ وہ اس تک آئے گا۔ یہ بات اس کے دل پہ بوجھ بڑھا گئی۔

"کیا فرق پڑتا ہے؟" وہ اسے یہیں چھوڑے اندر بڑھ گئی۔ وہ اسے جاتا دیکھتا رہ گیا۔ پہلی بار کنزہ ابراہیم اس سے روٹھ کر جا رہی تھی۔ اس کے دل میں ہوک اٹھی۔

☆☆☆

وہ اندرونی دروازہ کھولتے لاونج میں داخل ہوئی تو حدید اس کے پیچھے ہی تھا۔ ایک پل کو وہاں بیٹھے تینوں نفوس نے نگاہیں اٹھائیں اور اگلے ہی پل وہ تینوں اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو گئے۔ حیرت، بے یقینی، پریشانی، خوشی، مسرت وہ کونسا جذبہ تھا جو ان کے چہروں سے عیاں نہ تھا۔ وہ گنگ تھے۔ ان کے وجود ہلکی سی جنبش سے بھی آزاد کھڑے تھے۔ کنزہ کی دلسوز آواز نے ان کے اندر برق دوڑا دی۔

"بابا" وہ آگے بڑھتے ابراہیم سے لپٹ گئی۔ ایک دن ایک رات کے بعد اپنی بیٹی کو اپنے گلے لگے محفوظ دیکھ کر ان کے سینے میں ٹھنڈک اتر آئی۔ اسے خود سے

لگائے ان کی نظر حدید کی جانب اٹھی۔ وہ خاموش کھڑا تھا۔ چہرے پہ پر سوچ اور تکلیف دہ تاثرات تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کو محسوس کیا۔ اس کی پیٹھ سہلاتے تشکر سے ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اسے خود سے علیحدہ کرتے انہوں نے اپنی بیٹی کی پیشانی پہ بوسہ دیا۔ کنزہ نے نم آنکھوں سے باپ کو دیکھا۔ ان گھنٹوں میں بار بار یاد آنے والا یہ پہلا چہرہ تھا۔ دوسرا اس ہرجائی کا تھا جس نے اپنے الفاظ سے اسے زخمی کر دیا تھا۔

"تم ٹھیک ہو نا بیٹا؟" اسے خود سے لگا کر پیار کرتے مراد نے نہایت محبت سے پوچھا۔ بھائی کی بیٹی کو سلامت دیکھ کر ان کے اندر گویا نئی روح پھونکی گئی تھی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں چچا جان" اپنے لہجے کو ہشاش بناتے کہا۔ ورنہ جسم کی چوٹوں کے ساتھ اب ذہن پہ بھی کوڑے برسنے لگے تھے۔

"ہم نے تمہیں کہاں کہاں تلاش نہیں کیا۔" افان نے اس کے قریب بڑھتے فکر مندی سے بتایا۔ اس پر اس کی اہمیت واضح کی۔ اسے بتایا کہ کنزہ ابراہیم کا وجود ان کے لیے کتنا اہم ہے۔

"تلاش تو ان کو کیا جاتا ہے جو کھو گئے ہوں۔" وہ تلخی سے بولی۔ وہ تلخی جو کنزہ کے وجود کا خاصا نہ تھی۔ حدید نے نگاہیں چرائیں۔

"میں جانتا تھا حدید تمہیں واپس لے آئے گا۔" اسے صوفے پہ بٹھا کر اس کے گرد بازو حائل کرتے انہوں نے فخر سے کہا۔ یہ کہنا غلط نہ تھا کہ حدید عالم، ابراہیم وجدانی کا فخر تھا۔

"مجھے بھی یہی غلط فہمی تھی۔" حدید پہ نگاہیں جمائے اس نے افسوس سے کہا۔

"کیا مطلب؟" سب سے پہلے سوال کرنے والے مراد وجدانی تھے۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

" کنزہ میرے ساتھ نہیں آئی۔ " حدید نے دھیمے لہجے میں ان پہ واضح کیا۔ ابراہیم جواب تک سکون سے تھے یک دم ہی پریشان ہو گئے۔ اگر وہ حدید کے پاس نہیں تھی اور اس کے ساتھ نہیں آئی تو کیا واقعی ان کے کسی دشمن؟ نہیں۔۔۔ نہیں۔ ایسا ممکن نہیں۔ انہوں نے خود کو تسلی دی۔ البتہ افان کے چہرے پہ روشنی در آئی۔ رقابت کا زہر جو اسے مار رہا تھا اس میں کچھ کمی واقع ہوئی تھی۔

" پھر کس کے ساتھ آئی ہے؟ کہاں تھی تم دو دن سے؟ کچھ تو بتاو بیٹا" مراد نے مضطربانہ انداز میں ڈھیروں سوالات داغ دیے۔ جو کچھ انہوں نے سی سی ٹی وی میں دیکھا تھا کچھ حد تک وہ علم رکھتے ہی تھے۔ مگر بھتیجی کو سامنے دیکھ کر بھی بقیہ کہانی جانے بغیر ان کا پر سکون ہونا نہیں بنتا تھا۔

"کل صبح جب میں مارننگ واک کے لیے۔۔۔۔ " وہیں صوفے پہ بیٹھے اس نے ساری آپ بیتی سنانی شروع کی۔ البتہ برہان اور اردل کا ذکر مفقود تھا۔ انہوں نے

دل سے اس لڑکی کو دعا دی جس نے ان کی بیٹی کی جان بچائی۔ وہ روداد سنا کر خاموش ہوئی تو افان نے اسے پانی کا گلاس تھمایا۔ ابراہیم اسے اپنی جستجوئیں بتاتے گئے۔ کیسے مراد اور افان نے اسے ڈھونڈنے کے لیے زمین آسمان ایک کر دیا تھا۔ کنزہ نے نظر اٹھا کر حدید کو دیکھا جو سینے پہ بازو باندھے خاموش کھڑا تھا۔ اس نے نظر واپس پھیر لی۔ وہ اس سے ناراض تھی اور سخت ناراض تھی۔ بابا کے بقول وہ کل سے میٹنگز میں اتنا مصروف تھا کہ اسے کنزہ کی گمشدگی کی بھی اطلاع نہیں تھی۔ وہ اس سے اتنا لاپرواہ کیسے ہو سکتا تھا؟

اس کا دل بھر آیا۔ آنکھیں نم ہوئیں اور اس سے قبل کہ بوچھاڑ ہوتی وہ وہاں سے اٹھ گئی۔

"بیٹا کچھ دیر بیٹھو۔" ابراہیم ابھی مزید اپنی بیٹی کو دیکھ کر اپنی پیاسی دید کو جلا بخشنا چاہتے تھے۔

"مجھے آرام کرنا ہے بابا۔" وہ نم لہجے میں بولی۔ ابراہیم نے اسے اس کی تھکاوٹ سے مشروط کیا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ میں خود تمہارے لیے سوپ بناؤں گا۔"

"پھر میں کس لیے ہوں تایا جان؟" افان نے بات میں اپنا حصہ ڈالا تو ابراہیم مسکرا دیے۔

وہ تینوں اسے باتوں میں لگا کر اس کا موڈ بہتر بنانا چاہتے تھے۔ مگر وہ کیا کرتی جس کا محبوب بے تاثر کھڑا تھا۔ یوں جیسے اس کے محسوسات جامد تھے۔ جانے وہ کن سوچوں میں الجھا تھا کہ کنزہ کی زندگی کا بھنور بھی اسے اپنی طرف نہ لا سکا۔ اس نے گلے میں اٹکتے گولے کو بمشکل روکا اور کمرے میں آ کر دل کا سارا ابال نکالا۔ بے آواز آنسوؤں سے روتے ہوئے اس کا دل چاہا وہ چیخے۔ حدید کا گریبان پکڑے اور

پوچھے کیا ایسے نبھاتے ہیں دوستی؟ کیا اس کا وجود اتنا ارزاں تھا کہ وہ اس سے لاپرواہ ہو گیا؟

دماغ نے ڈھیروں تاویلیں پیش کیں۔ مگر دل فوراً سے بیشتر بیچ میں حائل ہو گیا۔

"اگر اسے معلوم ہوتا تو دنیا کا چپہ چپہ چھان کر بھی مجھے تلاش کرتا۔" محبوب کے حوالے سے پہلا عذر تلاشا۔

"ہاں حدید کی غلطی نہیں ہے۔ وہ قصوروار نہیں ہے۔ اسے تو کچھ علم ہی نہیں تھا۔"

دل نے بغاوت کی۔ محبوب کو بے قصور نامزد کیا۔

"وہ ہمیشہ میری حفاظت کرے گا۔" اس نے خود کو دلاسہ دیا۔ پھر وہ چند منٹ یوں ہی خود کو تسلیاں دیتی رہی۔ محبوب کی ہر غلطی و کوتاہی کو معاف کرتی رہی۔

"کنزہ بیٹا فریش ہو کر باہر آجاو۔ ہم سب تمہاراانتظار کر رہے ہیں۔" دروازے کے باہر سے ہی اسے بلاوا پیش کیا گیا۔

"جی بابا" چہرے پہ آئے آنسوؤں کو پونچھتے اس نے الماری کا رخ کیا۔

آرام دہ کپڑے نکال کر وہ واش روم میں گھس گئی۔ دو دن کی اس مسافت نے کنزہ کی ڈھیروں توانائیاں چوس لی تھی جو واپس اپنوں میں بیٹھ کر ہی رفع ہو سکتی تھی۔

☆☆☆

وہ صوفے کے کنارے پہلو ٹکائے بیٹھا تھا۔ افان اس پہ ایک سرسری نظر ڈال کر سوپ بنانے کی غرض سے کچن چلا گیا تھا۔ وہاں موجود تین نفوس میں سے دو کی نظریں اس تیسرے وجود پہ مرکوز تھیں جو چہرہ جھکائے بیٹھا تھا۔ جب سے وہ آیا تھا یونہی گم صم سا تھا۔

"کہاں تھے تم حدید؟" مراد نے اس پہ گہری جانچتی نظر ڈال کر سوال داغا۔

"میں ھامبورگ گیا تھا۔" اس نے سادگی سے جھوٹ بولا۔

"خیریت؟" اب کہ ابراہیم نے مزید جاننا چاہا۔

"میٹنگ کے سلسلے میں گیا تھا۔"

"آج سے پہلے تم نے کبھی اتنی لاپرواہی نہیں دکھائی۔" انہوں نے شکوہ کیا۔ آخر شکوہ بھی تو اپنوں سے ہی کیا جاتا ہے۔

"آج سے پہلے کبھی ایسا حادثہ بھی نہیں ہوا تھا۔" وہ بولا تو لہجہ اداسی لیے تھا۔ ابراہیم اور مراد کے درمیان نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔ حدید ڈسٹرب تھا۔ اور بہت ڈسٹرب تھا۔ انہوں نے مزید کچھ بھی جاننے کی خواہش رد کر دی۔

"بھائی آپ ویسے ہی پریشان ہو رہے تھے۔ بھلا آپ کے کونسے دشمن آ گئے جو کنزہ کو استعمال کرتے۔" اب کہ مراد کو بھائی کو مکمل تسلی کروانی چاہی۔ حالانکہ اندر کہیں انہیں کنزہ کی سنائی آپ بیتی میں جھول محسوس ہو رہا تھا۔

"کسی کی بیٹی کو نشانہ بنانا بزدلی کی علامت ہوتا ہے۔ نہیں ڈیڈ؟" ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر حدید نے ان کے چہرے پہ نگاہیں مرکوز کرتے سوالیہ پوچھا۔

ابراہیم کے چہرے پہ سایہ لہرایا۔ آخر کیا ہو گیا تھا حدید کو؟

"دشمن کو چاہئے کہ وہ سامنے سے آ کر وار کرے۔ عورت کو بیچ میں لانا اور اسے نقصان پہنچانا دشمن کے ڈرپوک ہونے کا ثبوت ہے۔" اس کی سیاہ آنکھوں میں سرخی گھلی ہوئی تھی۔ ابراہیم نے اس کے الفاظ پہ حیرت سے اسے دیکھا۔

"یہی تو میں بھائی کو سمجھا رہا تھا۔" مراد نے ان کے تاثرات پہ غور کیے بغیر اپنی کہی۔

"کیا سمجھایا جا رہا تھا؟" افان سوپ کا باول تھامے کچن سے باہر نکلا اور خوشگوار لہجے میں پوچھا۔ کنزہ کی آمد اور حدید کا خاموش رویہ اسے بے حد سکون پہنچا رہے تھے۔ وہ اپنی اور رباپ کی چپقلش بھی فراموش کر گیا۔

"یہی کہ افان اتنا سگھڑ کب سے ہو گیا ہے۔" ابراہیم نے حدید سے نظر ہٹاتے موضوع تبدیل کیا اور افان نے خود پہ تجزیہ ہوتے دیکھ مسکراہٹ ظاہر کی۔

کنزہ فریش ہو کر واپس آئی تو ڈھیلے سے ٹراوزر اور پوری آستین والی ٹی شرٹ زیب تن کر رکھی تھی۔ سفید کارڈیگن کو پہن کر سردی سے بچنے کی کوشش کی ہوئی تھی۔ کنزہ کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ دل سے مسکرایا۔

"ٹیلنٹ تو شروع سے ہی ہے بس آپ لوگوں نے نوٹس دیر سے کیا۔" افان نے اسے سوپ پیش کیا تو اس نے سر کے خم سے شکریہ ادا کرتے وصول کیا۔

www.novelsclubb.com

"یہ پی لو۔ پھر ہم ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔" ابراہیم نے اس کے سر پہ بوسہ دیتے محبت سے کہا۔

"ضرورت نہیں ہے بابا۔ منشاء نے بہت خیال رکھا تھا۔" وہ ٹال گئی۔ اور سوپ پینے لگی۔

"کبھی ہمیں بھی موقع دینا اس فرشتہ صفت لڑکی سے ملنے کا۔" مراد نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

"اس نے کہا کہ تقدیر ہمیں ملوائے گی۔" وہ کھوئی کھوئی بولی۔

"چلو کچھ چیزیں قسمت پہ ہی چھوڑ دیتے ہیں۔" وہ جواب سن کر مطمئن تو نہ ہوئے مگر خاموش ہو گئے۔ وہ نظریں جھکائے سوپ پیتی رہی۔ افان ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھے پیار سے اسے دیکھتا رہا۔

"کیسا بنا ہے؟" اس نے تجس سے پوچھا۔

"اچھا ہے "اس نے چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ سجائے جواب دیا۔ وہ شاید نارمل ہونے کی اداکاری کر رہی تھی۔

"مگر تم بے حد لذیذ بناتی ہو۔ کسی دن تم سے بنانا سیکھوں گا۔" کنزہ نے محض تبسم پہ اکتفا کیا۔

"میں چلتا ہوں۔" حدید کو اپنا آپ غیر ضروری لگا تو اٹھ گیا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" ابراہیم نے استفسار کیا۔

"آفس کے علاوہ کہاں جا سکتا ہوں؟"

"رشتے کام سے زیادہ اہم ہوتے ہیں حدید!" انہوں نے تاکید کرنی چاہی۔ یہ وہ حدید نہیں تھا جسے وہ برسوں سے جانتے تھے۔ وہ حدید تو ان پہ جان دیتا تھا۔ یہ حدید تو غیریت دکھا رہا تھا۔

"جانے دیں بابا! رشتے تو یہیں پر ہیں۔ کام ادھورا رہ گیا تو نقصان ہو جائے گا۔" کنزہ کچھ تلخی سے بولی۔ حدید کی مسلسل نظر اندازی اس کے اعصاب پہ گہرا اثر چھوڑ رہی تھی۔

"میں شام میں آوں گا۔" وہ ان کی کسی بھی بات کا اثر لیے بغیر وہاں سے چلا گیا۔ افان کے چہرے کی رونق مزید بڑھ گئی۔ ابراہیم اور مراد میں نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔ کنزہ کو سوپ بدمزہ لگنے لگا۔ وہ خاموش تھا مگر سامنے تو موجود تھا۔ نظروں سے اوجھل ہوا تو گلے میں پھانس لگ گئی۔

www.novelsclubb.com

☆☆☆

وہ گاڑی میں آ کر بیٹھا تو چھن سے زخرف کا چہرہ نگاہوں کے پار آ گیا۔ اس کا وہ خون سے نچڑا چہرہ یاد کرتے اس کے تمام اعصاب تن گئے۔ اس نے اگنیشن

میں چابی گھمائی اور گاڑی کو تیز رفتار سے چلانے لگا۔ سڑک پہ دوڑتی اس سیاہ گاڑی کی منزل وہی تھی جس کے لیے وہ مر بھی سکتا تھا اور مار بھی سکتا تھا۔

ہسپتال کے کوریڈور سے گزر کر وہ مطلوبہ وارڈ تک پہنچا۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھولا تو سامنے نظر آتا منظر دیکھ کر اسے اچنبھا ہوا۔ وہ اپنے پاوں کے ناخنوں کو مطلوبہ شکل دے رہی تھی۔ اسے زخرف کی دماغی حالت پہ شک ہوا۔ وہ اس کی ناساز طبیعت کا سوچ کر مرنے والا ہو چکا تھا اور مقابل بڑے سکون سے اپنے روزمرہ کاموں میں مشغول تھا۔ حد تھی۔

"ارے آپ" اس کو سامنے دیکھ زخرف نے بھرپور جوش کا مظاہرہ کیا۔

"آئیے ماما نے بتایا آپ نے مجھے ریسکیو کیا تھا۔" اسے دروازے میں ایستادہ دیکھ زخرف نے پیش کش کی۔ جبکہ حدید ابھی تک سامنے بیٹھی اپنی بیوی کے رویے پہ متعجب کھڑا تھا۔

"ایک تو کوئی مشہور ہو جائے ذرا پھر اتنے دوست نہیں ہوتے جتنے اندیکھے دشمن ہوتے ہیں۔" وہ اس سے مخاطب تھی یا نہیں حدید اندازہ نہیں کر پایا۔ اس نے قدم اندر بڑھنے شروع کیے۔

"خیر آپ کی شکر گزار ہوں مسٹر۔۔۔ کیا نام بتایا تھا ماما نے" اپنے پیروں سے نگاہیں اٹھاتے اس نے نووارد کو دیکھ کر پوچھا۔ چہرے پہ پر سوچ تاثرات تھے۔

"حدید" اس نے اپنا نام بتا کر اس کی مشکل آسان کی۔

"کافی اچھا نام ہے آپ کا مسٹر حدید" وہ تعریفی انداز میں گویا ہوئی۔ دائیں پاؤں کے ناخن اب کہ اپنی مطلوبہ شکل میں آچکے تھے۔ اس نے بائیں پاؤں پہ مہارت دکھانا شروع کی۔

"میں خود بھی کافی اچھا ہوں۔" حدید مزید اس کے قریب آیا۔

"اس کا اندازہ تو ہو ہی گیا ہے۔ ورنہ ہر کوئی کہاں آپ کی مدد کو آتا ہے۔ بہر حال میں احسان رکھنے کی قائل نہیں ہوں۔ جب آپ کو میری مدد کی ضرورت ہوئی تو ضرور کہیے گا۔ آفٹر رول سیلیبریٹیز۔۔۔۔"

"کے جاننے والوں کے کام جلدی ہو جاتے ہیں۔" حدید نے اسے اسی کے الفاظ لوٹائے۔ چہرہ اب ہر غم و فکر سے آزاد تھا۔ سیاہ آنکھوں میں کشش در آئی۔ سرخی کہیں دور جا سوئی۔

"آپ نے تو الفاظ ہی اچک لیے۔" اس کو دیکھ کر وہ ہنستے ہوئے بولی۔ اس کے چہرے پہ بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ حدید کی روح سرشار ہو گئی۔

"کہیں آپ بھی میرے فین تو نہیں؟" ایک پل کو اسے نیا خیال ستانے لگا۔ ایک تو زخرف نور اور اس کی سیلف اوبسیشن!

"شاید کیونکہ آپ کی اداکاری کا مداح ہوں۔" اس کے حسین چہرے کو ذومعنیت سے دیکھتے اس نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

"آٹوگراف بھی چاہیئے ہو گا پھر؟" وہ ہنوز اداکاری کرنے میں مگن تھی۔

"کسی دن فرصت سے لوں گا آٹوگراف" لہجہ جتاتا ہوا تھا۔ ایک پل کو زخرف کا دل سکڑا۔ مگر اس نے خود کو لاپرواہ ثابت کیا۔

"خیر آپ کی مرضی۔ مجھے ذرا وہ لوشن پکڑائیں گے۔" صوفے کے سامنے پڑی میز کی طرف اشارہ کرتے اس نے موضوع تبدیل کرنے کی کوشش کی۔

"یادداشت جاتی ہے تو جائے پر میڈم کی سکن کیئر نہ جائے۔" نفی میں سر ہلاتے اس نے میز پہ پڑا لوشن اٹھایا اور پھر اس کی طرف آیا۔

"کچھ کہا آپ نے؟" اس کے ہاتھ سے لوشن لیتے زخرف معصومیت گویا ہوئی۔

"میں کچھ کہنے کا اہل ہوں محترمہ؟" سینے پہ ہاتھ رکھ کر ہلکا سا جھکتے تابعداری سے پوچھا۔ اس کو یوں دیکھ زخرف کی سانسیں اتھل پتھل ہوئیں۔ اس کے سامنے اداکاری کرنا بہت مشکل تھا۔ اس سے لاتعلقی ظاہر کرنا عذاب محسوس ہو رہا تھا۔

"آپ مجھے نور کہہ سکتے ہیں۔" دل کے گوشے میں نرمی ابھر آئی۔ دھوکے کا حصہ گویا نرمی نے ڈھانپ لیا۔

"دنیا آپ کو نور کہتی ہے کیوں نا میں آپ کو زخرف کہہ دیا کروں۔" وجیہہ چہرے پہ شرارت مچل رہی تھی۔ زخرف نگاہیں چرا گئی۔

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے ہم ملتے رہیں گے۔" پیروں پہ لوشن لگانے کے بعد وہ ہاتھوں کو ملائم کرنے کی غرض سے لوشن لگا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں انگوٹھی ندارد دیکھ کر حدید کی پیشانی پہ لکیریں در آئیں۔ اسی لمحے اس کی نظر سائیڈ ٹیبل پہ پڑی۔

"اور آپ کو ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔"سائیڈ ٹیبل پہ پڑی ٹرے میں سے انگوٹھی اٹھاتے اس نے پراسرایت سے کہا۔زخرف اس کے انداز پہ پریشان ہوئی۔

"اپنی چیزیں سنبھال کر رکھتے ہیں مس زخرف نور"اس کے بائیں ہاتھ کی چوتھی انگلی میں انگوٹھی پہناتے ہوئے اس نے زور دے کر کہا تو زخرف اس کے اتنا قریب آنے پہ سٹپٹا گئی۔

"ش۔۔شکریہ"الفاظ اور آواز دونوں ہی کانپ گئے۔اس کی قربت میں زخرف کی سانس کب سے اٹکنے لگی تھی۔

"اینی ٹائم"آنکھ ونک کر کے کہتے ہوئے وہ پیچھے ہٹا تو زخرف نے رکا ہوا سانس بحال کیا۔پھر خود کو مصروف دکھانے کی کوشش میں رپورٹس پکڑ کر پڑھنے لگی۔وہ اس سے کیسے کہتی کہ یہاں سے چلا جائے۔اس لیے خود ہی اپنی توجہ ہٹا لی۔

www.novelsclubb.com

وہ اس کی چالاکی سمجھ کر مسکرایا۔ اس پر سے نظر ہٹائے بغیر الٹے قدموں چلتا وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس کے باہر نکلتے زخرف نے تشکر کا سانس بھرا۔ اپنے جذبات کو مدفن کرنے کی سوچ رکھنے والی زخرف نور کو اس کی دوری اور قربت دونوں ہی نڈھال کر رہی تھی۔ وہ اپنا دل پکڑ کر بیٹھ گئی۔

وہ باہر آیا تو عائشہ اسے دیکھ کر آگے بڑھیں۔

"کیا اس نے تمہیں پہچانا؟" امید کے تحت پوچھا۔

"وہ میرے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنا چاہتی ہے اور میں اس کا بھرپور ساتھ دوں گا۔ دیکھتے ہیں وہ کب تک خود کو اس نئے کردار میں قید رکھے گی۔" حدید کی آنکھوں میں چمک تھی۔ فتح کی چمک!

www.novelsclubb.com

عائشہ کو بھی کچھ حد تک اندازہ تھا۔ شاید اسی لیے انہوں نے جانتے بوجھتے اس کے سامنے حدید کا ذکر چھیڑا تھا۔ شاید اب وہ مزید اپنی بیٹی کو لاعلمی سے دور رکھنا چاہتی تھیں۔ انہوں نے اسے از خود سرا تھمایا تھا۔

"تمہارا اگلا قدم کیا ہو گا؟" زخرف اور حدید دونوں کے اگلے اقدام بہت معنی رکھتے تھے۔

"حقیقی اداکاروں سے ان کا کردار چھیننا" حدید عالم کے انداز میں بغاوت تھی۔ وہ بغاوت جو سب فنا کر دینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

☆☆☆ www.novelsclubb.com

جاری ہے۔۔۔۔